ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
9تا15 مئی 2002ء

☆ پاکستان میں اسلامی نظام ــــ کیا اور کیسے؟ (منبر ومحراب)
☆ اسرائیل کے بارے میں عیسائیوں کی لاعلمی (حقیقت احوال)
☆ ڈرنک کوکا کولا' سپورٹ اسرائیل (مکتوب شکاگو)

مسئلہ کشمیر کا حل اور امریکہ

''میرا خیال ہے کہ دنیا میں امریکہ سے زیادہ ناقابل اعتماد دوست شاید ہی کوئی ہوگا۔ اس ملک نے جس کمال کا آج تک مظاہرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر ایک سے یکطرفہ دوستی چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر ایک اس کے ساتھ دوستی کرے مگر وہ کسی کے ساتھ دوستی نہ کرے بلکہ اپنے دوست کے ساتھ دوستی کرنے کا جب موقع پیش آئے تو اس سے بے وفائی کر جائے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ہم امریکہ کے اوپر اعتماد کریں اور اس امید پر بیٹھے رہیں کہ وہ اسے (مسئلہ کشمیر کو) حل کرا دے تو وہ اس کو ایسے طریقے سے حل کرانے کی کوشش کرے گا جس سے کشمیر کا پاکستان میں آنا تو درکنار' خود پاکستان کی آزادی وخود مختاری کا باقی رہ جانا بھی ممکن نہیں ہوگا۔ جو کچھ ان کے ارادے سننے میں آئے ہیں اور جس طرح کے مضامین کھلم کھلا ان کے ہاں لکھے جاتے ہیں۔ وہ اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے ہی نہیں کہ کشمیر کے جھگڑے کو کس طرح حق وانصاف کے مطابق طے کیا جائے بلکہ وہ سب کچھ اس طرز پر سوچ رہے ہیں کہ اسے چین کے خلاف ان کی دفاعی سکیم میں پاکستان کے ساتھ کیسے نتھی کیا جائے۔ اس وجہ سے میرے نزدیک اس سے بڑی کوئی حماقت نہیں کہ امریکہ پر اعتماد کر کے ہم یہ مسئلہ اس کے حوالے کر دیں۔''

(سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ۶ نومبر ۱۹۶۵ء کو مظفر آباد کے ایک جلسہ عام میں خطاب سے اقتباس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○﴾ (آیات : ١٣٠ تا ١٣٣)

''اورکون ہوگا وہ جو ابراہیمؑ کے طریقے سے روگردانی کرے سوائے اس کے جس نے اپنے آپ کو حماقت میں ڈال دیا اور بلاشبہ ہم نے تو اسے دنیا میں بھی چن کر پسند کر لیا تھا' اور یقیناً وہ آخرت میں نیک بندوں میں ہوں گے۔ جب کبھی کہا ان سے ان کے رب نے کہ سر تسلیم خم کر دو' (تو ابراہیم نے جواب میں) کہا میں نے اپنی گردن جھکا دی ہے تمام جہانوں کے مالک اور پروردگار کے سامنے۔ اور اسی بات کی وصیت کی تھی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے اس دین (اسلام) کو پسند کر لیا ہے' تو دیکھنا تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالت اسلام (فرمانبرداری) میں۔ کیا تم حاضر تھے اس وقت جب یعقوب کی موت کا وقت آیا۔ جب اس نے کہا اپنے بیٹوں سے' میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم بندگی کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے آباؤ اجداد یعنی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے الٰہ و معبود کی۔ وہ تو ایک ہی الٰہ ہے۔ ہم تو اسی کے آگے سر جھکانے والے (تابع فرمان) ہیں۔''

یہاں سے سورۃ البقرہ کے پندرھویں رکوع کا آغاز ہو رہا ہے اور روئے سخن اہل کتاب کی طرف ہے کہ تم موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے ماننے والے ہو' تم توریت اور انجیل پر ایمان کے مدعی ہو لیکن ابراہیمؑ تو ان سب سے پہلے تھے۔ موسیٰؑ بھی ان کی نسل میں آئے اور عیسیٰؑ کی والدہ بھی اسرائیلی تھیں۔ یہ تو سب ابراہیمؑ ہی کی نسل کے لوگ ہیں۔ تو کیوں نہ ان سب کے جد امجد ہی کا طریقہ اختیار کرو۔ سب یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کو اپناؤ۔ اس سے روگردانی صرف وہی کرے گا جسے اس کے نفس نے حماقت میں مبتلا کر دیا ہو۔ ساتھ ہی حضرت ابراہیمؑ کی مدح میں فرمایا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی چن لیا تھا' وہ دنیا میں ہمارے خاص بندوں میں شامل تھے اور آخرت میں بھی یقیناً وہ ہمارے نیک بندوں میں ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کا اصل وصف یہ تھا کہ جب کبھی ان کے رب نے ان سے کہا کہ سر تسلیم خم کر دو اور ہمارے حکم کی تعمیل کرو تو انہوں نے بے چون و چرا ہمارے حکم اور فیصلے کے سامنے گردن جھکا دی۔ یعنی وہ تو ہمہ وقت راضی برضائے رب تھے اور تعمیل ارشاد کے لئے چشم براہ رہتے تھے۔ اسی طرز عمل اور رویئے کا نام ''اسلام'' ہے۔ یہی ابراہیمؑ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور اسی بات کی وصیت ابراہیم علیہ السلام اور اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو کی تھی کہ اے میری اولاد! اللہ نے تمہارے لئے اس دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ تو دیکھنا مرتے دم تک اس پر قائم رہنا' زندگی کے آخری سانس تک اللہ کی فرمانبرداری کا قلادہ تمہاری گردنوں میں پڑا رہے۔ یعنی جیو تو اسلام پر اور مرو تو اسلام پر۔

جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے تمام بارہ بیٹوں کو جمع کیا اور کہا' میرے بعد کس کی بندگی کرو گے۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا (ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ) کے معبود کی پرستش کریں گے جو کہ ایک ہی معبود ہے۔ یعنی ابراہیمؑ اسحٰقؑ' اسمٰعیلؑ اور یعقوبؑ سب کا پروردگار ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے تابع فرمان رہیں گے اور اسی کا حکم بجا لائیں گے۔ گویا ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں اور پوتوں نے معبود حقیقی کی ہی پرستش کرنے اور توحید پر قائم رہنے کا اقرار کیا۔

☆ ☆ ☆

آپس میں تحائف کا تبادلہ اور اس کا حاصل

فرمان نبوی — چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ شَاةٍ (رواہ الترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو۔ ہدیہ سینے کی کدورت اور رنجش کو دور کر دیتا ہے۔ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کو ہدیہ کے لئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے''۔

اخوت باہمی کو بڑھانے میں معمولی قسم کے ہدیے اور تحفے بھی بہت موثر ہوتے ہیں اور دلوں سے کدورتیں اور رنجشیں دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ہدیوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور خود بھی جواب میں ہدیہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ سب سے بہترین تحفہ جو ایک مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کو دیا جاتا ہے وہ السلام علیکم ہے یعنی سلامتی کا تحفہ اور جواب میں ساتھ ورحمۃ اللہ کا اضافہ گویا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کی بہترین عملی تعبیر ہے۔

خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد 11 شمارہ 18

9 تا 15 مئی 2002ء

(25 صفر تا یکم ربیع الاول 1423ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ، سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار، طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مقام اشاعت: 36- کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 03-5869501 فیکس: 5834000
E-Mail:anjuman@tanzeem.org
Website:www.tanzeem.org

قیمت : 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
☆ یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ
1500 روپے
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ
2200 روپے

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حافظ عاکف سعید

ریفرینڈم کے بعد کا منظر نامہ

ریفرینڈم 2002ء کے بارے میں اتنا کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے کہ اس پر مزید کوئی تبصرہ تکرار محض ہی شمار ہوگا۔ ملک کے قریباً تمام تجزیہ نگار اور اصحاب قلم اس ریفرینڈم کے حوالے سے ان امور پر متفق ہیں (واضح رہے کہ ان میں وہ معروف تجزیہ نگار حضرات بھی شامل ہیں جو ریفرینڈم کے اعلان سے قبل صدر مشرف کے ہر اقدام اور ہر پالیسی کی بھرپور تائید و حمایت کرتے رہے ہیں): i) اس ریفرینڈم میں جس بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوئی اور اس کے نتائج کے ضمن میں جس ڈھٹائی کے ساتھ سفید جھوٹ بولے گئے اس کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حکومتی دعووں کے بالکل برعکس یہ ریفرینڈم ملک و قوم کے لئے کسی صبح روشن کی دلیل ثابت نہ ہوسکا' بلکہ اسے ہمیشہ ملکی تاریخ کے ایک سیاہ اور شرمناک باب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ ii) یہ ایک لا حاصل کاوش تھی جس کا حاصل کثیر قومی سرمائے کے ضیاع کے سوا اور کچھ نہیں۔ iii) صدر پرویز مشرف کی مقبولیت کا گراف اس کے نتیجے میں تشویشناک حد تک نیچے گرا ہے' حکومتی ساکھ اور خود صدر مشرف کی کریڈیبلٹی شدید طور پر مجروح ہوئی ہے۔

یہ پوری صورت حال ملک و قوم کا درد رکھنے والوں کے لئے انتہائی کرب و اذیت کا باعث ہے' لیکن سب سے بڑھ کر تشویشناک امر یہ ہے کہ ریفرینڈم 2002ء کے جو عواقب و نتائج (consequences) رفتہ رفتہ سامنے آرہے ہیں وہ انتہائی سنگین اور ہولناک ہیں۔ ان نتائج و عواقب کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس اہم سوال کا جواب بھی بآسانی مل جاتا ہے کہ آخر صدر مشرف کو ریفرینڈم کی اوکھلی میں سر دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی! ــــ یا دوسرے لفظوں میں انہیں ''دھکا کس نے دیا تھا''؟ ــــ ریفرینڈم کے بعد کا منظر نامہ یہ ہے کہ یہ بات چونکہ کھل کر سامنے آگئی ہے کہ صدر مشرف پاکستان کے عوام کی حمایت و تائید سے یکسر محروم ہیں اور وہ یہاں کے عوام میں سرے سے جڑیں نہیں رکھتے' لہٰذا ان کا انحصار امریکہ پر بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت سے معاملات میں تو وہ پہلے ہی امریکی مطالبات کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے' اب مزید سخت تر مطالبات کے آگے مزاحم ہونے کی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہی۔ اس طرح امریکہ کو مزید سہولت حاصل ہو جائے گی کہ وہ اپنے مذموم ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ایک ایسے شخص کو آلہ کار بنائے جو اپنی ذات اور اقتدار کے تحفظ کی خاطر امریکہ کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے ــــ چنانچہ اس کے مظاہر اب کھل کر سامنے آنے لگے ہیں۔ القاعدہ کے ارکان کے تعاقب کے بہانے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں امریکی اور برطانوی کمانڈوز کی کھلم کھلا کارروائیاں تمام حدود کو پھلانگتی محسوس ہو رہی ہیں۔ چنانچہ آج صورت یہ ہے کہ مسلمانان پاکستان اپنے ملک میں خود کو غیر محفوظ اور بے یار و مددگار سمجھنے لگے ہیں۔ فوج کو ملک و قوم کا محافظ سمجھا جاتا ہے' لیکن ہمارے باوردی صدر نے شاید پاکستان کی سرزمین کو گویا دشمنانِ اسلام کے حوالے کرنے کا تہیہ کر لیا ہے کہ جس طرح چاہیں وہ یہاں کارروائیاں کریں اور جسے چاہیں اٹھا کر لے جائیں۔ حالانکہ ریفرینڈم سے قبل غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کے حوالے سے یہ خبر پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوئی تھی کہ ''صدر مشرف نے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں امریکہ کو القاعدہ کے خلاف کارروائی کی اجازت نہیں دی''۔

حالیہ ریفرینڈم کا ایک اور بھیانک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہماری حکومت کے جسد ظاہری پر شرم و حیا کا کوئی شکستہ سا لبادہ اگر پہلے تھا بھی' تو اب وہ پورے طور پر اتر چکا ہے۔ تمام تر خرابیوں اور نقائص کے باوجود اب تک موجودہ حکومت اپنی صاف گوئی اور کھرے پن کے حوالے سے نیک نام تھی' لیکن ریفرینڈم کے موقع پر جتنی ڈھٹائی سے جھوٹے اعداد و شمار پیش کئے گئے اور پھر اس جھوٹ پر قائم رہنے کے لئے دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کا جو شرمناک مظاہرہ اب تک کیا جا رہا ہے اس نے موجودہ حکومت کو بالکل بے نقاب بلکہ بے لباس کر دیا ہے۔ فرمان نبویؐ ہے ''اگر تم حیا کا لبادہ اتار دو تو پھر جو چاہے کرتے پھرو!'' چنانچہ شدید اندیشہ ہے کہ اب یہ حکومت اپنی بقا اور تحفظ کی خاطر بڑے سے بڑا اور گھناؤنے سے گھناؤنا قدم اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ چنانچہ اب نیا منظر

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

پاکستان میں اسلامی نظام ـــ کیا اور کیسے؟

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۳ مئی ۲۰۰۲ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

جب تک اس ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا' ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ نہ اسے بحیثیت ملک استحکام حاصل ہوسکتا ہے' نہ اس کی سیاست میں کوئی استحکام پیدا ہوسکتا ہے' نہ یہاں کرپشن کا خاتمہ ہوسکتا ہے' نہ غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے جب تک کہ اللہ کے ساتھ ہم نے جو بدعہدی کی ہے اس کا ازالہ نہ ہو اور یہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو۔

پاکستان میں جب بھی اسلامی نظام کے قیام کی بات کی جاتی ہے تو عام طور پر جدید تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ''طالبان کا اسلام؟''۔ اس ضمن میں وضاحت کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ طالبان کی حکومت اسلامی حکومت تھی' اس لئے کہ اسلامی حکومت کی شرط ایک ہی ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی بات سب سے اونچی ہو جائے۔ چونکہ وہاں شریعت کی بالادستی تھی اور ایک پہلو سے خلافت راشدہ جیسی سادگی بھی تھی' حکمرانوں کا طرز بود و باش سادہ تھا' وہ چٹائی پر بیٹھتے تھے لہٰذا حکومت کی سطح تک تو وہ ایک اسلامی حکومت تھی۔ البتہ اسلام کا سیاسی اور معاشی نظام وہاں ابھی قائم نہیں ہو پایا تھا۔ امید یہ تھی کہ اگر طالبان کو وقت ملتا' تو یقیناً اس جانب بھی پیش رفت ہوتی۔ لیکن افسوس کہ وہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ بہرکیف' یہ امر واقعہ ہے کہ طالبان کی حکومت کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مثالی اسلامی ریاست نہیں کہا جاسکتا تھا۔ البتہ میرے نزدیک پورے عالم اسلام میں ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کا اگر کوئی امکان ہے تو صرف پاکستان میں ہے۔

احادیث نبویہؐ میں موجود اشارات کے علاوہ برصغیر کی چار سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کے دست قدرت نے پاکستان کو خاص طور پر اس کام کے لئے تیار کیا۔ اس کے شواہد سب کے سامنے ہیں۔ گزشتہ چار سو سال سے مجددین کا سلسلہ ہند میں چلا آ رہا ہے۔ پھر ۲۰ ویں صدی کی عالم اسلام کی عظیم ترین شخصیتیں ہندوستان میں پیدا ہوئیں: علامہ اقبال جیسا مفکر' مولانا مودودیؒ جیسا مصنف' مولانا الیاس جیسا مبلغ۔ پھر یہ کہ جب خلافت کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں تو احتجاجی تحریک صرف ہندوستان میں چلی اور ایسے زور و شور سے چلی کہ مہاتما گاندھی کو بھی اس میں شریک ہونا پڑا۔ اسی طرح بیسویں صدی کے وسط میں جب آزادی کی تحریکیں چلیں تو بقیہ عالم اسلام میں یہ صرف نسلی یا لسانی عصبیتوں کی بنیاد پر چلیں جبکہ یہاں اسلام کے نام پر اور مذہب کی بنیاد پر تحریک چلی' یعنی ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ''۔ پھر پاکستان کا قیام اپنی جگہ ایک معجزہ ہے۔ کانگریس جیسی عظیم جماعت' گاندھی جیسا رہنما' مسلمانوں میں سے مولانا ابوالکلام جیسا لیڈر' علماء میں سے مولانا مدنی جیسی عظیم شخصیت اور بعض اہم دینی جماعتیں ایک طرف تھیں لیکن ان سب کی مخالفت کے باوجود پاکستان قائم ہوا اور قائم بھی شب قدر میں یعنی ۲۷ رمضان المبارک کو ہوا۔ پھر یہاں قرارداد مقاصد پاس ہوئی جو سیکولرازم کے خلاف اعلان بغاوت کے مترادف ہے۔ دنیا میں یہ واحد ملک ہے جس کا نام بھی ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' رکھا گیا۔ کسی اور ملک کے نام میں اسلام کا حوالہ موجود نہیں۔ پھر یہ واحد ملک ہے جس میں ختم نبوتؐ اور ناموس رسالتؐ کو دستوری اور قانونی تحفظ عطا کیا گیا۔ سود کے بارے میں یہودیوں کے عالمی مالیاتی نظام کو بھی یہیں چیلنج کیا گیا۔ ہماری سپریم کورٹ نے فیصلہ دے دیا کہ بنک انٹرسٹ حرام ہے' اسے ختم کیا جائے۔ اگرچہ اس فیصلہ پر عمل درآمد نہیں ہوا ہے لیکن سود کے خلاف اتنا واضح عدالتی فیصلہ بھی دنیا میں اور کہیں نہیں آیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعتاً اتنا طویل سفر جو ہم نے طے کیا ہے اس میں اللہ کی خصوصی مشیت اور حکمت کی کارفرمائی ہے۔ پھر یہ کہ پاکستان واحد مسلمان ملک ہے جسے معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت ملی۔ شاید اس لئے کہ اسی کو بالآخر اسرائیل کا توڑ بننا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں ملک تقریباً ایک ہی وقت میں قائم ہوئے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا' جون ۱۹۴۸ء میں اسرائیل وجود میں آیا۔ بہرحال ان شواہد کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور ایک مثالی اسلامی ریاست اگر اللہ نے چاہا تو یہیں قائم ہوگی۔ البتہ وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ کی تقویم لمبی ہے۔

اب آیئے اس اہم سوال کی طرف کہ وہ آئیڈیل اسلامی نظام کیا ہوگا؟ اس میں سیاسی اور دستوری ڈھانچا کیا ہوگا؟ سیاسی طور پر پہلی بنیادی ضرورت اللہ کی حاکمیت کا اقرار ہے جو ہمارے ہاں قرارداد مقاصد کے ضمن میں ہو چکا۔ دوسرے' قرآن و سنت کی مکمل بالادستی جو ہمارے دستور میں دفعہ ۲۲۷ کے تحت درج ہے' اگرچہ اس پر عمل نہیں ہے۔ لیکن اگر ان تقاضوں پر پورا عمل ہو جائے تو باقی ساری چیزیں امرھم شوریٰ بینھم کے تحت آئیں گی۔ آپ صدارتی نظام بنائیں' پارلیمانی نظام بنائیں یا وحدانی حکومت بنائیں۔ شریعت ان میں سے کسی سے نہ روکتی ہے نہ کسی کو لازم کرتی ہے۔ اسی طرح الیکشن میں ووٹ دینے کی عمر مشورے سے یا کثرت رائے سے طے کی جاسکتی ہے اور یہ کہ سب مسلمان ووٹ دیں گے۔ البتہ جو امیدوار آئیں گے ان کی پوری چھان پھٹک (screening) کی جائے گی کہ ان کا کردار کیا ہے' دولت کہاں سے آئی ہے' ان کے آس پاس کے لوگ کیا گواہی دیتے ہیں' وغیرہ۔ ان چیزوں کے تحت آپ جمہوری نظام اختیار کرسکتے ہیں۔

اسی طرح معاشیات کے ضمن میں تین نکات ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلا یہ کہ جہاں تک موجودہ تجارت اور صنعت کا معاملہ ہے' اس میں سے دو چیزیں نکال دیجئے۔ یعنی جدید Capitalistic system جس کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے' اس میں سے دو چیزیں نکالنی ہوں گی: ''سود'' اور ''جوا''۔ باقی ذاتی ملکیت کی اسلام میں اجازت ہے۔ کھیت آپ کا ہوسکتا ہے۔ دکان آپ کی ہو سکتی ہے۔ کارخانہ آپ کا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح Personal Incentive کہ زیادہ کام کروں گا تو زیادہ نفع ہوگا' یہ چیز بھی اسلام کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح کھلے مقابلے پر مبنی سرمایہ کاری اور مارکیٹ اکانومی کا پورا جدید نظام اسلام کے مطابق ہے۔ خلاصہ بحث یہ کہ موجودہ معیشت کے نظام میں صرف یہ دو چیزیں ''سود'' اور ''جوا'' مکمل طور پر اگر نکال دی جائیں اور معیشت کو ان کی ہر صورت سے اگر پاک کر دیا جائے تو اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا خاکہ بن جائے گا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بڑی انڈسٹری ریاست کے تحت لگے گی اس لئے کہ بنکنگ کا کوئی نظام جو لوگوں کو اربوں روپے قرض دے سکے' نہیں ہوگا۔ ہوگا بھی تو محدود ہوگا۔ سارے بڑے کام ریاست کے تحت ہوں گے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ماضی قریب کے بعض فقہاء کے نزدیک پاکستان کی اراضی خراجی ہیں' یعنی کسی کی انفرادی ملکیت نہیں بلکہ قومی ملکیت ہیں۔ آج پاکستان کے علماء اگر اس بات کو تسلیم کرلیں تو یہ زمین واپس لے کر اور برابر ٹکڑوں میں کاٹ کر کاشتکاروں میں

تقسیم کی جا سکتی ہے۔ اس بندوبست اراضی کے نتیجے میں جو خراج وصول ہوگا اس کے باعث غیر فطری ٹیکسوں مثلاً انکم ٹیکس وغیرہ سے نجات مل جائے گی۔ اگر علماء اسے تسلیم نہ کریں تب بھی ہمارے پاس ایک راستہ موجود ہے اور وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تینوں کے نزدیک مزارعت حرام ہے (امام شافعیؒ کے نزدیک صرف باغ کے تابع زمین میں مزارعت کی اجازت ہے' کھلے کھیت میں مزارعت کو وہ حرام کہتے ہیں)۔ آپ ملازم رکھ کر اپنی زمین میں خود کاشت کر سکتے ہیں۔ تاہم ملازم کو تنخواہ دینی پڑے گی خواہ فصل ہو یا نہ ہو' اچھی ہو یا بری ہو۔ وہ محنت کرے گا تنخواہ لے لے گا اور اس کی تنخواہ کا نظام حکومت کنٹرول کرے گی۔ اس کے بعد زکوٰۃ کا نظام ہے۔ پھر عشری زمین سے جو عشر آئے گا' ان سب کی بنیاد پر سوشل سکیورٹی کا نظام قائم کیا جائے گا کہ کوئی شہری مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کی بنیادی ضرورت پوری ہونے سے نہ رہ جائے۔ یہ گارنٹی اسلامی ریاست دیتی ہے۔ یہ اسلامی معاشی نظام ہے۔

اسلام کا معاشرتی نظام کیا ہوگا! سیدھی سی بات ہے اور یہ بڑی اہم ہے کہ ستر و حجاب کے احکامات کی پابندی ہوگی یعنی عریانی' بے پردگی اور مخلوط معاشرت کے خاتمے کے ساتھ مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار کی علیحدگی' مثلاً گھریلو صنعت کو رواج دیا جا سکتا ہے تاکہ خواتین ملکی معیشت میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ پرائمری تعلیم کلیتاً خواتین اساتذہ کے حوالے کی جا سکتی ہے۔ ایسے انڈسٹریل یونٹ لگائے جائیں جن میں خواتین ہی کام کریں اور خواتین ہی سپروائز کریں اور ان کے اوقات کار نسبتاً کم ہوں۔ ایسی زنانہ مارکیٹیں ہوں جن میں خواتین ہی دکاندار ہوں اور صرف خواتین اور بچے ہی خریداری کے لئے اندر جا سکیں۔ مردانہ ہسپتالوں میں صرف مرد نرسز اور زنانہ ہسپتالوں میں خواتین ہی ڈاکٹر ہوں اور خواتین ہی نرسز ہوں!' اسی طرح ہوائی جہازوں میں صرف مرد میزبان ہوں! وغیرہ۔ چنانچہ اس طرح آج کی دنیا کا پورا معاشرتی نظام چل سکتا ہے۔ کہیں رکاوٹ نہیں ہے۔

اس کے بعد سب سے اہم سوال یہ ہے کہ پاکستان کے معروضی حالات میں یہ نظام کیسے قائم ہوگا!

پاکستان کے معروضی حالات میں اسلامی نظام کے قیام کا نسبتاً سہل اور جلد کامیابی کی ضمانت والا لائحہ عمل تو یہ ہے کہ تمام دینی و مذہبی جماعتیں اقتدار کی کشاکش اور انتخابی سیاست کے لاحاصل کھیل سے کنارہ کشی اختیار کر کے ''وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ'' کے مصداق ایک منظم جمعیت کی شکل اختیار کر لیں' جو آیت مبارکہ (آل عمران: ۱۰۴) کے مطابق صرف تین کام کرے: (۱) خیر کی جانب دعوت (اور سب سے بڑا خیر قرآن حکیم ہے) (۲) نیکی کا مشورہ اور حکم' اور (۳) برائیوں سے روکنا!--- قرآنی الفاظ میں ''دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر''۔ یہ نہی عن المنکر یعنی ' برائیوں سے روکنا' ابتداءً صرف زبان و قلم کے ذریعے اور دلیل اور اپیل کی صورت میں ہوگا لیکن مناسب طاقت فراہم ہونے پر منظم اور پُرامن مظاہروں' ہڑتالوں یہاں تک کہ سول نافرمانی کا راستہ اختیار کیا جائے گا!

مطالبات میں سرفہرست یہ دو امور ہونے چاہئیں:

۱) دستور پاکستان کی اسلامی دفعات کو غیر موثر بنانے والے چور دروازے بند کئے جائیں۔

۲) کم از کم اندرون ملک سود کا خاتمہ فی الفور کر دیا جائے اور غیر سودی بینکنگ کے ضمن میں جو سکیمیں اب تک پیش ہوئی ہیں ان میں سے کسی ایک کو فوری طور پر نافذ العمل کر دیا جائے' اس میں بہتری کے لئے اقدامات بعد میں بھی جاری رہ سکتے ہیں!

اس کے بعد رفتہ رفتہ مختلف قسم کے منکرات کے خلاف اقدامات کئے جا سکتے ہیں ----- یہاں تک کہ حق پورے کا پورا آ جائے اور باطل سارے کا سارا دفع ہو جائے اور ''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ !'' کی صورت پیدا ہو جائے!

لیکن اگر دینی و مذہبی قیادت اپنی سابقہ روش ہی پر برقرار رہتی ہے اور انتخابی سیاست کے کھلونوں ہی سے دلوں کو بہلاتی رہتی ہے ---- تب بھی تنظیم اسلامی کو اپنی بے بضاعتی کے باوجود (حضرت علیؓ کے اس قول کے مطابق جو انہوں نے بنی ہاشم کی دعوت کے موقع پر کہا تھا کہ: ''اگرچہ میں عمر میں سب سے کم ہوں' اور میری ٹانگیں بھی پتلی ہیں اور میری آنکھیں بھی دکھتی ہیں لیکن میں اللہ کے رسولؐ کا ساتھ دوں گا!) یہی کام کرتے رہنا ہے' اللہ کے بندوں کو ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ'' کی پکار کے ساتھ اور اللہ سے اس دعا کے ساتھ کہ استقامت عطا فرمائے اور نصرت سے نوازے۔ آمین! OO

حالات حاضرہ

اگرچہ صدر مشرف نے ریفرنڈم کے لئے جلسے جلوسوں اور چاروں صوبوں کے طوفانی دوروں کی صورت میں غیر معمولی محنت کی تھی اور ان کی محنت کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ یہ ریفرنڈم نتیجہ خیز ہوگا' لیکن ریفرنڈم کے جو نتائج اور شواہد سامنے آئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک لاحاصل مشق تھی۔ اس ریفرنڈم کے نتیجے میں صدر مشرف کے سیاسی قد کاٹھ میں اضافہ نہیں بلکہ کمی واقع ہوئی ہے۔ ریفرنڈم میں عوام کی عدم دلچسپی کے واضح شواہد کے باوجود ساڑھے چار کروڑ ووٹوں کے ٹرن آؤٹ کے سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ووٹ فرشتوں نے ڈالے ہیں اور شفاف ووٹنگ کے حکومتی دعوے سفید جھوٹ سے کم نہیں! تاہم صدر پرویز مشرف کے سیاسی مستقبل اور ریفرنڈم کے جواز کا اصل فیصلہ اکتوبر میں انتخابات کے نتیجے میں بننے والی پارلیمنٹ ہی کر سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ریفرنڈم کے حوالے سے عدالت عالیہ کے حالیہ فیصلے میں بھی کہا گیا ہے کہ یہ فیصلہ آئین کے مطابق نہیں بلکہ پی سی او کے تحت کیا جا رہا ہے۔ تاہم اس بوگس ریفرنڈم کے نتیجے میں فی الحال سیاسی جماعتوں کی طرف سے ''مشرف ہٹاؤ تحریک'' شروع کئے جانے کا بھی کچھ زیادہ امکان نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں اکتوبر میں متوقع الیکشن کے لئے اپنی قوت بچا کر رکھنے کو ترجیح دیں گی جبکہ حکومت مخالف تحریک شروع کرنے کے نتیجہ میں اس بات کا اندیشہ ہوگا کہ الیکشن کو موخر کرنے کا جواز حکومت کے ہاتھ آ جائے۔

(مرتب: فرقان دانش خان)

بفضلہٖ خدمات حج و عمرہ کا بااعتماد ادارہ

آپ کا اعتماد ہماری پہچان

حسن ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

TRAVEL AGENTS & TOUR OPERATORS

سعادت عمرہ حاصل کیجئے

اضافی سہولیات کے ساتھ

بمعہ رعایتی ہوائی ٹکٹ

کم خرچ عمرہ پیکیجز

بڑے گروپس کے لئے خاص رعایت

کم خرچ بالا نشین عمرہ پیکیجز بمعہ ہوائی ٹکٹ

STAY PERIOD	PACKAGE CHARGES*
7 Days	Rs: 32,400
14 Days	Rs: 34,600
21 Days	Rs: 36,500

- جدہ ایئرپورٹ پر آمد اور روانگی پر راہنمائی' استقبال اور الوداع
- 12 سال سے کم عمر کے بچوں کے پیکج اور ہوائی جہاز کے کرایہ میں خصوصی رعایت
- جدہ، مکہ اور مدینہ کے دفاتر میں اردو میں بات چیت کرنے والا عملہ موجود ہوگا
- تین' چار یا پانچ افراد کی رہائش کے لئے ایئرکنڈیشنڈ کمروں کا انتظام جہاں ہر کمرے کے ساتھ باتھ روم کی سہولت موجود ہے

★ پیکج کی قیمت ہوائی سفر کے کرائے میں تبدیلی کے باعث تبدیل ہو سکتی ہے

★ ویزہ پراسیسنگ فیس' جدہ سے مکہ ٹرانسپورٹ اور رہائش شامل ہے

★ فور اور فائیو سٹار ہوٹلوں کے پیکج کی قیمت درخواست پر دستیاب ہوگی

مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے۔

19-Central Commercial Market, Model Town, Lahore

Ph 5832905,5854728 Fax 5886167 E mail: umertax@brain.net.pk

دنیا کو نمائشی نہیں عملی اسلام کی ضرورت ہے۔حنیف رامے

نظام تبدیل کئے بغیر عام آدمی کے حالات نہیں بدل سکتے۔حافظ عاکف سعید

علاج معالجہ مفت اور کم از کم تنخواہ پانچ ہزار ہونی چاہئے۔جنرل (ر) ایم ایچ انصاری

ہمارے ملک میں جمہوریت کی بحالی کی بات تو ہوتی ہے' مزدور کے حقوق کی بحالی کی نہیں۔قیوم نظامی

سرمایہ اور محنت کی کشمکش کو ختم کرنے کے لئے اسلام کا عادلانہ نظام رائج کرنا ہوگا۔مرزا ایوب بیگ

ملک سے غربت کے خاتمہ کے لئے جاگیرداری نظام کا خاتمہ ضروری ہے۔خورشید احمد

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام ''نظام خلافت میں مزدور کے حقوق وفرائض'' کے موضوع پر سیمینار

گزشتہ دنوں یوم مئی کے حوالے سے تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔سیمینار کا عنوان ''نظام خلافت میں مزدور کے حقوق وفرائض'' تھا۔ سیمینار کا سارا انتظام شعبہ نشر واشاعت حلقہ لاہور کے ذمہ تھا۔اس پروگرام کے انعقاد کے لئے مرزا ایوب بیگ صاحب کی سرپرستی کے علاوہ راقم کو شعبہ نشر واشاعت کے ساتھیوں جناب نعیم اختر عدنان' نوید شیخ' مرزا ندیم بیگ' طارق جاوید اور شاہد اقبال کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔اللہ کے خصوصی فضل وکرم سے ۵ مئی بروز اتوار ۱۱ بجے صبح ہمدرد سینٹر' لٹن روڈ' لاہور میں اس سیمینار کا انعقاد ممکن ہوا۔ پروگرام کا آغاز حسب معمول تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ حافظ عبداللہ واحد نے تلاوت قرآن کی سعادت حاصل کی ۔پروگرام کے سٹیج سیکرٹری جناب نعیم اختر عدنان نے تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی ملک اور قوم کی ترقی کا جائزہ لینے کے کئی ایک پیمانے ہو سکتے ہیں مگر پاکستان' جیسے ملک میں مزدور کی حالت زار کا اندازہ کرنے کے لئے کسی ''دانش پرویزی'' کی ضرورت نہیں۔اسلام کا نام تو ہم سبھی لیتے ہیں مگر ہمارا معاشرہ اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہے۔ہم میں سے ہر شخص نے لین دین کے الگ الگ پیمانے بنا رکھے ہیں۔انہوں نے کہا کہ نجی اداروں میں محنت کرنے والے مزدوروں کی معمولی شرح اجرت قرآن پاک کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔فرمان ربانی ہے: ''تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں پر جب وہ لوگوں سے لیتے

مرتب: وسیم احمد

ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو دیتے ہیں تو پھر کمی کر دیتے ہیں۔'' انہوں نے مزید کہا کہ خلافت راشدہ میں ہر فرد کے سیاسی' معاشرتی اور معاشی حقوق یکساں تھے۔

پروگرام کے پہلے مقرر جناب قیوم نظامی نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک میں اقتدار کی بحالی اور پارلیمنٹ کی بالادستی کی بات ہوتی ہے مگر مزدور کے مسائل پر کوئی بات نہیں کرتا۔انہوں نے اس حدیث کا حوالہ دیا جس میں حضور ﷺ نے ایک محنت کش کے کھردرے ہاتھوں کو عقیدت سے چوم لیا تھا اور کہا کہ ہمارے کسی دینی وسیاسی راہنما نے آج تک کسی مزدور کے ہاتھ نہیں چومے۔انہوں نے کہا کہ پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست کے قالب میں ڈھالنے کے لئے مزدور کو اس کا حق دینا ہوگا کیونکہ قائداعظم نے بھی فرمایا تھا کہ جب تک ہم مزدور کو مطمئن نہیں کریں گے ہماری انڈسٹری ترقی نہیں کر سکے گی۔

پروگرام کے دوسرے مقرر جناب مرزا ایوب بیگ امیر تنظیم اسلامی حلقہ لاہور نے فرمایا کہ پاکستان میں جتنے مزدور کے حقوق دبائے گئے ہیں اس کی کہیں اور نظیر نہیں ملتی۔پاکستان میں اب تک دو لیبر پالیسیاں سامنے آئی ہیں لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ ان پر عملدرآمد کی کسی کو توفیق نہیں ہوئی۔آج دنیا کے تمام نظام اور فلسفے ناکام ثابت ہو چکے

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام سیمینار سے جناب مرزا ایوب بیگ' جناب حنیف رامے اور سٹیج سیکرٹری جناب نعیم اختر عدنان خطاب کر رہے ہیں۔
سٹیج پر (دائیں سے بائیں) جناب خورشید احمد' حافظ عاکف سعید' جنرل (ر) ایم۔ایچ۔انصاری اور جناب قیوم نظامی تشریف فرما ہیں۔

ہیں۔ صرف اسلام وہ واحد نظام ہے جو عدل و قسط پر مبنی ہے۔ سرمایہ اور محنت میں موجود کشمکش کو ختم کرنے کے لئے اسلام کا عادلانہ نظام رائج کرنا ہوگا۔ مزدوروں کے حقوق کو پامال کر کے ملک کی معاشی حالت میں بہتری نہیں لائی جا سکتی۔ انہوں نے سورۃ القصص کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مزدوروں کے حقوق و فرائض اس آیت سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ (۱) مزدور کی طاقت سے زیادہ اس سے محنت نہ لی جائے (۲) اوقات کار مقرر ہوں۔ (۳) شرائط ملازمت طے کی جائیں۔ (۴) کام کا معقول معاوضہ دیا جائے۔ (۵) کارکن کو ملازمت جاری رکھنے یا چھوڑنے کی آزادی ہو (۶) محنت کش انتہائی محنت سے کام کرے۔ وہ دیانت دار اور امانت دار ہو۔ (۷) مزدور کے ساتھ تعلقات برادرانہ اور مساویانہ ہونے چاہئیں۔

انہوں نے کہا کہ اسلامی معیشت کی جان عدل و احسان ہے۔ علمائے دین نے بھی اسلامی فقہ میں کئی ایسے اصول وضع کئے ہیں جن کی روشنی میں مزدور کے حقوق و فرائض کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ یہ سنہری اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مزدور سے کوئی غیر شرعی کام نہیں لیا جاسکتا۔ (۲) ملازم کو غلام نہیں رکھا جاسکتا۔ (۳) مرضی کے بغیر کام نہیں لیا جا سکتا (۴) کام کی نوعیت بتا کر ملازمت کا معاہدہ اور اجرت طے کی جائے۔ (۵) بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

پروگرام کے اگلے مقرر جناب حنیف رامے نے اپنے پرمغز خطاب میں کہا کہ دنیا کو اس وقت نمائشی اسلام کی بجائے عملی اور حقیقی اسلام کی ضرورت ہے۔ اسلام جو آزادی اور مساوات کا علمبردار ہے اگر اس کا عملی نفاذ کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رحمتوں کے خزانے کھول دے گا۔ عمل کے بغیر ایمان کا کوئی ثبوت نہیں' ایمان عمل میں ڈھلے تو ہی ایمان کامل کہلاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایسے معاشرے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے جو اسلام کے آفاقی اصولوں کو موجودہ زمانے میں ہم آہنگ کرتے ہوئے مسائل کا حل پیش کرے اور انسانیت کے پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے ہمیں اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم مزدور کے مفادات کو عزیز رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے مفادات کو عزیز رکھے گا۔ ہمیں ایسا ماحول تشکیل دینا چاہئے جس میں ایک شخص دوسرے کی فکر کرے۔

جناب جنرل (ر) ایم ایچ انصاری نے کہا کہ اسلام نے انسانی حقوق کی ۱۴۰۰ سال قبل بات کی اور اسلام نہ صرف مزدوروں بلکہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے حقوق کی بات کرتا ہے۔ جس پر جتنی ذمہ داری ہوگی' آخرت میں اس سے اتنی پوچھ بھی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ احترام انسانیت کو ہر لحاظ سے قائم کیا جائے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ زکوٰۃ خود وصول کرنے کی بجائے لوگوں کو زکوٰۃ دینے میں آزاد چھوڑ دے تاکہ مستحقین کو ان کا حق صحیح طور پر مل سکے۔ کم از کم تنخواہ ۵ ہزار اور یومیہ اجرت کم از کم ۱۵۰ روپے ہونی چاہئے۔ علاج معالجے کی سہولیات اور تعلیم سب کے لئے مفت ہونی چاہئے۔

معروف لیبر لیڈر جناب خورشید احمد نے کہا کہ حکومت کم سے کم اجرت کے قانون اور لیبر لاز پر عمل درآمد کروائے غربت پچھلے چند سالوں میں ڈھائی گنا بڑھ چکی ہے جبکہ ۴۰ ارب روپے لوٹ کھسوٹ کے ذریعے ملک سے باہر جاچکے ہیں اور پاکستان ورلڈ بنک' آئی ایم ایف کے شکنجے میں آچکا ہے۔ اگر یہی دولت ملک میں واپس آجائے تو ہمارا اقتصادی نظام ٹھیک ہوسکتا ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی حالت سدھارنے کے لئے انقلابی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

انہوں نے کہا کہ دنیا کے تمام نظام افسر شاہی کلچر کو فروغ دیتے ہیں جبکہ اسلام مزدوروں کے حقوق کا صحیح تعین کرتا ہے۔ جب تک لوٹ کھسوٹ کا نظام نہیں بدلے گا' اس وقت تک اس ملک میں نظام مصطفیٰ نہیں آسکتا۔ انہوں نے دوران خطاب امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی کمی کو محسوس کیا اور کہا کہ آج ہم ڈاکٹر صاحب کے خیالات سے آگہی حاصل نہیں کر سکے۔

صاحب صدر اور نائب امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے حلقہ لاہور کے امیر اور رفقاء کو اتنا بہترین پروگرام منعقد کرنے پر مبارکباد دی اور تمام مقررین کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ محترم جناب عاکف سعید نے اپنے مختصر صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ بھٹو نے پاکستان میں مزدور کے حقوق کی بات کی مگر ان کے نعرے کا پس منظر اشتراکی فلسفہ تھا' جبکہ اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ ہر سطح پر عدل و قسط کا نظام رائج کیا جائے۔ دور فاروقی میں اسلام کے نظام عدل و قسط کی برکات دنیا کے سامنے آئی تھیں۔ جمہوری نظام سرمایہ داری کو تحفظ دیتا ہے جبکہ اسلام سرمایہ داری کی مکمل نفی کر کے معاشرے میں سرمایہ کاری کو فروغ دیتا ہے۔ اسلام میں کفالت عامہ کا نظام موجود ہے جو مزدور کے حقوق کی نگہبانی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داری صرف تنظیم اسلامی یا دوسری مذہبی جماعتوں کی نہیں بلکہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ملک میں نفاذ اسلام کی جدوجہد کرے۔

پروگرام کے آخر میں جنرل انصاری صاحب نے رقت آمیز انداز میں دعا مانگی جس سے کئی حاضرین کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ اس سیمینار میں درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

(i) گزشتہ تیس سال سے کولڈ سٹوریج میں پڑی لیبر پالیسی کو بلا تاخیر نافذ کر کے لاکھوں مزدوروں کے حالات کار کو بہتر بنایا جائے۔

(ii) سرکاری ملازمین کی طرح نجی اداروں کے ملازمین کی اجرتوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا جائے تاکہ لاکھوں محنت کشوں کی بنیادی انسانی ضروریات پوری ہو سکیں۔

(iii) مزدور کی کم از کم اجرت کی شرح میں اضافہ کر کے اسے پانچ ہزار روپے ماہانہ کیا جائے۔

(iv) حکومت لیبر قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنائے۔

☆ ☆ ☆

اقبالیات

علامہ اقبال اور افغانستان

☆ علامہ اقبال نے افغان قوم کے بارے میں فرمایا تھا:

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغاں درآں پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا
در کشاد او کشاد آسیا

''ایشیا مٹی اور پانی (گارے) کا بنا ہوا ایک جسم ہے اور افغان قوم اس جسم میں دل کے مانند ہے۔ اس میں خرابی سے پورا ایشیا خراب ہو جاتا ہے اور اس کی درستی سے پورا ایشیا درست ہو جاتا ہے۔''

☆ سر راس مسعود علامہ اقبال کے بہت گہرے دوست تھے۔ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ جب سر راس مسعود کے افغانستان کے دورہ پر جانے کا وقت قریب آیا تو بیگم مسعود نے اصرار کیا کہ انہیں بھی وفد کے ہمراہ افغانستان لے جایا جائے۔ سر راس مسعود نے ڈاکٹر اقبال سے مشورہ کیا تو آپ نے تحریراً جواب دیا:

''حکومت افغانستان اپنے تہذیبی و تعلیمی نظام کی تربیت کے لئے ہندوستان کے علماء کا جو وفد بلا رہی ہے اس کے ہمراہ ایک بے پردہ خاتون کے جانے کا افغانستان کے حکمرانوں پر جو اثر مرتب ہوگا وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔''

اس جواب کے بعد سر راس مسعود اپنی بیگم کو ہمراہ نہیں لے کر گئے۔ (مرسلہ: مظہر علی ادیب)

ڈرنک کوکا کولا' سپورٹ اسرائیل

رعنا ہاشم خان

فلسطین میں ہونے والے حالیہ ہنگاموں کے بعد سے اب تک مسلم اُمہ کی مختلف اسلامی تنظیموں کی جانب سے مسلسل یہ اپیل کی جارہی ہے کہ کوکا کولا سمیت دیگر مشہور یہودی کمپنیوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور یہودی مصنوعات کا استعمال قطعاً ترک کر دیا جائے۔ کوکا کولا جیسا مضرِ صحت مشروب جس کے آٹھ اونس میں ۱۲ چائے کے چمچ چینی پائی جاتی ہے' ۱۹۶۶ء سے لیکر اب تک نہ صرف اسرائیل کا ایک وفادار سپورٹر ہے بلکہ انتہائی طاقتور ہتھیار بھی ہے۔ یہودی معیشت کو بامِ عروج تک پہنچانے میں اس گلوبل کمپنی نے پچھلے ۳۰ سالوں سے اسرائیلی مارکیٹ کو دامے درمے سخنے ہر طرح سے مستحکم کر رکھا ہے۔ حال ہی میں اسرائیلی حکومت کے اکنامک مشن نے کوکا کولا کمپنی کو اپنے ٹریڈ ایوارڈ ڈنر میں مدعو کر کے اس کی ۳۰ سالہ اسرائیل کے حق میں اور عرب لیگ کی مخالفت میں کی گئی شاندار کارکردگیوں پر خصوصی انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ پیپسی جو کہ مئی ۱۹۹۱ء تک عرب لیگ کے حامیوں میں سے تھی' ۱۹۹۲ء سے یہ کمپنی بھی اسرائیل کو مضبوط کرنے میں مصروف ہے۔

جنگِ آزادی کے وقت انگریز نے مسلمان فوجیوں کو خنزیر کی کھال منڈھے کارتوس فراہم کئے تھے جو دانتوں سے کھینچ کر کھولے جاتے تھے۔ آج ان مشرکین سے بھلا یہ توقع کیونکر نہیں کی جاسکتی کہ یہ سوفٹ ڈرنکس جو ہماری معاشرت میں بے انتہا پسند کئے جارہے ہیں' ان میں ایسے خفیہ اجزاء شامل کئے جاتے ہوں جو مسلمانوں کے لئے مطلقاً حرام ہیں۔ منظرِ عام پر اجزاء کی جو فہرست اور فارمولا لایا جاتا ہے' وہ عام ہی نوعیت کا حامل ہوتا ہے جبکہ اصل فارمولا اور اجزاء کے بارے میں تفصیلی معلومات ہمیشہ صیغۂ راز میں رکھی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ ہم نے بھی اہلِ مغرب کی مانند ہر چیز حتیٰ کہ اپنے دین کو بھی کاروباری نقطۂ نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے لہٰذا ایسی فکریں ہم خود پر مسلط نہیں کرتے۔ اگر ہم ایسے ہی گنوں والے ہو جائیں تو آج صرف کوکا کولا اور اس سے متعلقہ مشروبات ہی کو خیر باد کہہ کر یہودی معیشت کو مکمل زوال سے نہیں تو کم از کم ایک بڑے دھچکے سے تو ضرور دوچار کر سکتے ہیں۔ لیکن کیا کیجیے کہ کوک اور اس کے ٹھیکے تلے دیگر کئی مشروبات امریکہ اور یورپ کی مانند پاکستان سمیت تمام مسلم اور عرب ممالک میں نہ صرف یکساں مقبول ہیں بلکہ "سمبل آف سٹیٹس" بھی ہیں۔ جبکہ ہمارے لئے تو یہ مشروبات بلیک لسٹ پر ہونے چاہئیں کہ ان کے عوض ہم نہ صرف اپنا پیسہ اور صحت ضائع کرتے ہیں بلکہ فلسطینیوں کو مارنے کے لئے اسرائیلی اسلحہ خانوں کو مضبوط بھی بناتے ہیں۔ ہماری خریدی گئی کوک کی ایک بوتل اسرائیل میں ایک گولی خریدے جانے کا باعث بن جاتی ہے اور ہم سب جانتے ہی ہیں کہ اس گولی کا مسکن فلسطینی نوجوانوں کے جسم بنا کرتے ہیں۔ آج پھر یہ کمپنی "فرینڈز آف اسرائیل" کا نعرہ لگا کر میدان میں اتری ہوئی ہے۔ ایک غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق کوکا کولا کمپنی Dome of the Rock پر اپنا ٹریڈ مارک بنانے کے درپے ہے اور تمام عرب اور مسلم ممالک اپنے کوک کے ہر گھونٹ کے ساتھ اس آنکھوں دیکھی مکھی کو نگل رہے ہیں۔ وطنِ عزیز میں بھی کرکٹ کے میچز ہوں یا گھریلو تقریبات' اس کمپنی کے مشروبات کے بغیر ادھوری ہیں۔ پاکستان ٹیلیویژن بھی گزشتہ ۴ سالوں سے "یہ دل مانگے اور ...." کی تکرار کر کے پیپسی کو پوری قوم کے حواسوں پر مسلط کرنے میں مصروف ہے۔ آج فلسطینی شہروں میں جس طرح مظلوم فلسطینیوں کی بے گور و کفن لاشیں دفنانے کی منتظر پڑی ہیں' ان کو دیکھتے ہوئے The Pepsi Challenges جیسے always Coca-Cola اشتہارات ہماری غیرت پر تازیانہ ثابت ہونے چاہئیں۔ پیسے کے معاملے میں یہودی قوم انتہائی لالچی ہے' اس کے لئے تو یہ اپنے آپ کو بھی نہیں بخشتی چنانچہ اس کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کر کے اسے بآسانی ذہنی دباؤ کا شکار کیا جا سکتا ہے۔ انٹرنیٹ پر ایسی فہرستیں دستیاب ہیں جن میں یہودی مصنوعات کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں' ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر آج ہم مسلمان یہودی مصنوعات کے خلاف صف آراء ہو جائیں تو جلد ہی امریکہ کو بھی کار سے لے کر کولڈ ڈرنک تک اپنی مصنوعات کی فکر لاحق ہو سکتی ہے۔ اقوامِ متحدہ میں اپیلیں کرنے اور خالی خولی باتیں کرنے کے بجائے ٹھوس اور تعمیری قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ خدارا! اس کمپنی کی "اسرائیل بچاؤ مہم" کا حصہ بننے کے بجائے اس کا توڑ کرنے کے لئے میدانِ عمل میں آیئے۔ فیصلہ آپ پر چھوڑا جاتا ہے کہ یا تو

Just say No to Coca-Cola

یا پھر

Drink Coca-Cola, Support Israel

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NATIONAL DISTRIBUTORS NTN BEARINGS

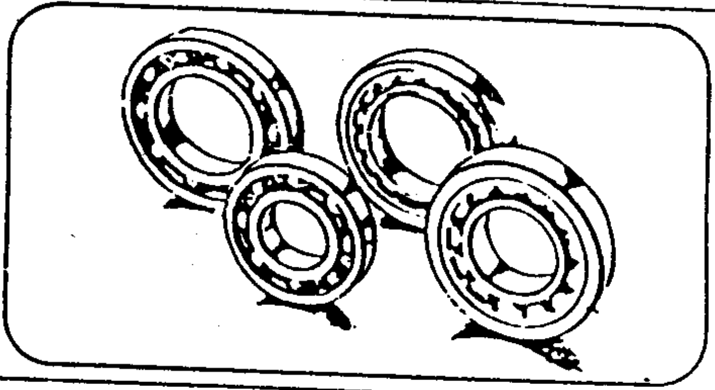

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box # 1178 Phones : 7732952 - 7730595 Fax : 7734776 - 7735883
E-mail : klnln@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : SIND BEARING AGENCY, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones 7639610,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 4.790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ہتھ کار ول، دِل یار ول

ایک بار پھر جب امیر محترم نے اپنے حالیہ خطاب جمعہ میں "ہتھ کار ول، دل یار ول" والی ضرب المثل کا تذکرہ کیا تو مجھے اپنے ایک بزرگ کی کافی عرصے پہلے کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔ یہ بزرگ بھی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ جہاں وہ بزرگ تھے جنہوں نے ایسی ضرب الامثال ایجاد کیں جن میں ہمارے لئے عبرت پذیری کے مواقع ہوتے ہیں، وہاں ایسے بزرگ بھی ہوئے ہیں جو ان ضرب الامثال کو دلنشین انداز میں سمجھا گئے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کی کاوشیں قبول کرے! خیر جن بزرگ کی بات ہو رہی تھی، انہوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا: "سمیع صاحب! آپ تو کبھی کسی گاؤں میں رہے نہیں۔ پنگھٹ پر جب گاؤں کی خواتین پانی بھرنے کے بعد گھروں کو لوٹ رہی ہوتی ہیں تو منظر یہ ہوتا ہے کہ صراحی سر پر ہے، آپس میں ہنسی مذاق ہو رہا ہے، اٹھکیلیاں ہو رہی ہیں۔ یہ سب کچھ جاری ہے لیکن توجہ سر پر رکھی ہوئی صراحی پر ہوتی ہے۔ مجال ہے کہ پانی کا کوئی قطرہ صراحی سے چھلک جائے۔ ہمارے صوفی بزرگوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ چاہے تم دنیا کے کسی کام میں مصروف ہو، تمہاری توجہ کا مرکز حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہونی چاہئے۔ خبردار! اس ہستی کی یاد سے اپنے دل کو کبھی خالی نہ کرنا۔ یعنی وہی بات کہ "دل کار ول، ہاتھ یار ول"۔ ذکر کا مقصد بھی یہی ہے کہ دل میں ہر وقت معبود حقیقی کی یاد موجود رہے۔ لیکن اس یاد کے موجود ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی یاد کی "سوز و مستی اور جذب وشوق" ہی کافی ہے، جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

من کی دنیا، من کی دنیا سوز و مستی جذب وشوق
تن کی دنیا، تن کی دنیا، سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا ہم نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے ہم نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

ہم سمجھتے ہیں کہ من کی دنیا ہو یا تن کی، کہیں غیر اللہ کا راج نہیں ہونا چاہئے۔ اگر یہ نہیں تو معاملہ صرف "سوز و مستی، جذب وشوق" سے آگے نہیں بڑھے گا۔ یہ ہے ثبوت استحضار اللہ فی قلب مومن کا۔ اس معاشرہ میں جہاں انسان روٹی کے لئے دیوانہ بنا ہوا ہے، جی ہاں صورتِ حال یہی ہے کہ "خود ناچتی ہیں سب کو نچاتی ہیں روٹیاں" ہم نے ستاروں سے آگے کی جہان کو اپنا ہدف بنایا ہے۔ تو اس کا

محمد سمیع، کراچی

تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے لئے دیوانے بنیں۔ محض یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ اللہ کی بندگی جس طرح مسجدوں میں ہونی چاہئے، اسی طرح بازاروں سے لے کر عدالتوں تک اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ایوان ہائے اقتدار تک ہونا چاہئے۔ بلکہ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم مسجدوں میں ہوں یا دفاتر میں، عدالتوں میں ہوں یا کہیں اور ہم پر صرف ایک دھن سوار ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے نظام کو جاری و ساری کرنے کے لئے کیا کیا جائے۔ خود کو دنیا کی دلفریبیوں سے کس طرح بچائیں، دعوت کا کون سا طریقہ اختیار کریں کہ مخاطب کو ہماری بات سمجھ میں آ جائے۔ اجتماعی جدوجہد کے ہر گوشے میں کون کون سے اقدامات کیے جائیں کہ "اللہ کی دھرتی پر اللہ کے نظام" کی منزل جلد از جلد سر ہو۔ یہ معاملہ نہ ہو کہ

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

کی تصویر نظر آنے لگیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو ہم میں اور عام دنیا والوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر ہم بھی دنیا کے رنگ میں رنگ گئے تو معاشرہ پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) کیسے چڑھے گا۔ سوچئے، غور کیجئے۔ آپ اپنے آپ کو دیوانوں میں شامل کرنا چاہتے ہیں یا فرزانوں میں۔

فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

تاریخ کے جھروکے سے

ابوعبیدہ

ایک سبق آموز واقعہ

محمد بن حمید طوسی ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھا دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا اچانک دروازے پر شور بلند ہوا، اس نے اپنے غلام سے کہا "یہ کیسا شور ہے......؟" غلام باہر گیا تو اس نے تھوڑی دیر میں واپس آ کر بتایا کہ لوگوں نے آپ کے فلاں دشمن کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ لیا ہے، اور اب وہ اس کے بارے میں آپ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں، طوسی نے یہ سن کر کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ اس پر ایک مصاحب بولا "الحمد للہ! خدا نے آپ کا دشمن قابو کروا دیا، میرا خیال ہے کہ آپ اس کے خون سے زمین کو سیراب کرنے کا حکم دیں" دوسرے مصاحب نے قتل کا کوئی طریقہ تجویز کیا، تیسرے نے کوئی اور، یہاں تک کہ ہر مصاحب نے قتل کے سلسلے میں الگ الگ تجویز پیش کی۔

طوسی نے ہر مصاحب کی بات اطمینان سے سنی، اس کے بعد غلام سے مخاطب ہو کر بولا "جاؤ فوراً اس کی زنجیریں کھول دو اور احترام کے ساتھ اسے یہاں لاؤ" تھوڑی دیر میں غلام اس شخص کو لے آیا، طوسی بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے ملا، بڑی خوش خلقی کے ساتھ اسے کھانا کھلایا اور حکم دیا کہ اسے عمدہ خلعت دی جائے اور اعزاز کے ساتھ گھر پہنچا دیا جائے۔ تمام مصاحب یہ منظر دم بخود دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر بعد طوسی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: "یاد رکھو! بہترین مصاحب وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کو نیکی پر آمادہ کرے، گناہ کے ارتکاب سے روکے اور اسے ترغیب دے کہ وہ نیکی کا بدلہ دوگنا کر کے ادا کرے اور برائی سے درگزر کرے، اگر ہم ہر برائی کا بدلہ برائی سے دیتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کب ادا کریں گے......؟ اور دیکھو بادشاہوں کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ وہ بات کریں تو کھری، اور رائے دیں تو جچی تلی، اس سے جانبین کو راحت ہوتی ہے اور محبت دیرپا ہو جاتی ہے، سنو اللہ کیا فرماتا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۝﴾ (الاحزاب: ۷۰،۷۱)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہ عظیم کامیابی حاصل کرے گا"۔

(بشکریہ روزنامہ "اسلام" ۲۳ دسمبر ۲۰۰۱ء)

☆ مالی اور مادی وسائل سے محروم شخص خود کو تنظیم کے لئے کیسے پیش کر سکتا ہے؟
☆ مشرکانہ نظام کے خلاف جدوجہد کرنا مستحسن ہے یا دارالاسلام کی جانب ہجرت کر جانا؟
☆ تنظیم اسلامی عوامی جلسے منعقد کیوں نہیں کرتی اور اسلامی انقلاب کے لئے کتنے افراد درکار ہیں؟

مختلف مقامات پر درس قرآن کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال وجواب کی نشست

س : آپ نے اپنی پوری عمر قرآنی فلسفہ اور منہج انقلاب نبویؐ کو بیان کرتے ہوئے گزاری ہے۔ پاکستان میں انقلاب برپا کرنے کے لئے آپ کو کتنے ساتھیوں کی ضرورت ہے اور کسی آڈیٹوریم یا بڑے ہوٹل کے بجائے آپ عوامی جلسہ گاہ میں خطاب کیوں نہیں کرتے؟

ج : عوامی جلسہ منعقد کرنے کے لئے آج کل بے انتہا پیسہ چاہئے۔ ایک ریلی پر کروڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ یہ وسائل کہاں سے آئیں گے! ظاہر ہے کہ ہم کوئی چلتا ہوا نعرہ دے کر لوگوں کی بھیڑ جمع نہیں کر سکتے۔ ہمیں ٹھوس بنیادوں پر کام کرنا ہے۔ جہاں تک انقلاب کے لئے ساتھیوں کی تعداد کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یقین کے ساتھ تو کچھ نہیں کہا جا سکتا (ایک اور موقع پر محترم ڈاکٹر صاحب نے اسی سوال کے جواب میں تعداد کا اندازہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پاکستان کی مجموعی آبادی کے پیشِ نظر یہاں انقلاب کے لئے کم و بیش دو لاکھ کارکنوں کا دستیاب ہونا ضروری ہے' جو سمع و طاعت کے خوگر ہو چکے ہوں اور سر بکف میدان میں نکلنے کو تیار ہوں)۔ درحقیقت سب سے پہلے ہمیں کارکنوں کا ایک نیوکلیس تیار کرنا ہے۔ جب تک کسی انقلابی جماعت کے لئے پڑھے لکھے لوگوں کا نیوکلیس نہ ہو' عوام میں جا کر جذباتی طور پر نعرے نہیں لگائے جا سکتے۔ انقلابی جماعت کی جدوجہد کے چھ مراحل کے دوران ایک مرحلہ آتا ہے جب راست اقدام کے لئے میدان میں آ کر عوام کو بھی ساتھ لینا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ایک مضبوط جماعت کا وجود میں آنا ضروری ہے جو اس عوامی مرحلہ کو کنٹرول کر سکے اور ضمانت دے سکے کہ اگر ہم سڑکوں پر آئیں گے تو توڑ پھوڑ نہیں ہوگی۔ ہم نظم و ضبط کے ساتھ پوری ذمہ داری لے کر آئیں گے اور پر امن رہیں گے۔ یہ کام اس وقت ہوگا جب ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو کہ ایک طرف تو اس فلسفہ کو بھی جانتی ہو جس کے لئے وہ قائم ہوئی ہے' یعنی اس کا نظریہ اور فکر بالکل صاف ہو اور دوسری جانب اپنے مقصد کے حصول کے طریقہ کار سے بھی وہ پوری طرح آگاہ ہو۔ یہ مرحلہ ہے کہ جس میں سے ہم ابھی گزر رہے ہیں۔ جب تک کہ معتدبہ ساتھیوں کی ایسی جماعت وجود میں نہیں آتی اس وقت تک ہمارا عوامی جلسے منعقد کرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ ہم میدان میں آئیں گے تو پھر یہی لوگ ہوں گے جو جلسے کریں گے' کارنر میٹنگز کریں گے' دیہات میں بھی جائیں گے۔ لیکن پہلے ایک جمعیت تیار کرنا ضروری ہے۔ یہ سب سے مشکل اور کٹھن کام ہے کیونکہ اس کے لئے لوگ آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ آپ کو دعائیں دے کر ٹرخا دیں گے یا پھر آپ کی تعریف کر کے سمجھیں گے کہ حق ادا ہو گیا ہے لیکن آپ کے دست و بازو بننا پسند نہیں کریں گے۔ اس میں چونکہ اپنی انانیت کو قربان کرنا پڑتا ہے لہٰذا اس کے لئے لوگ تیار نہیں ہوتے۔ جب تک ایک ایسی جماعت تیار نہیں ہو جاتی' ہم اپنے اگلے مرحلے کی طرف پیش قدمی نہیں کریں گے۔ منہج انقلاب نبویؐ کا سبق بھی یہی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنا تن من دھن اس کام میں لگا کر ہی اللہ کے ہاں سرخروئی کی امید کی جا سکتی ہے۔

س : ایک بندہ مومن اپنے دل میں جذبہ جہاد رکھتا ہے لیکن اپنے حالات کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے' کیونکہ وہ گھر کا واحد کفیل ہے۔ وہ طویل فاصلے طے کر کے کسی شہر کے ماہانہ درس میں شامل ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ تنظیم اسلامی میں شامل ہو کر ماہانہ دروس اور تربیتی پروگراموں میں شریک ہوا جائے لیکن مالی حالات کی مجبوری ہے۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو تنظیم کی خدمت کے لئے کیسے پیش کرے؟

ج : میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ تنظیم اسلامی کے اندر کسی درس کے لئے آنا لازم ہے نہ اس کے لئے لمبے سفر کرنا ضروری ہیں۔ آپ جہاں بھی ہوں' وہاں تنظیم کا کام شروع کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس موجود ہیں' کتابیں دستیاب ہیں۔ ویسے اگر آپ کے پاس وسائل و ذرائع نہیں ہیں تو وہ بھی جماعت آپ کے لئے فراہم کر سکتی ہے۔ اس میں دوسرے ساتھی آپ کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ درس سننے کے لئے کوئی لمبا سفر کرنا ضروری نہیں ہے۔ آپ تنظیم میں شامل ہوں اور جس جگہ پر ہیں وہاں پر رہ کر کام کریں کیونکہ ہر جگہ پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر علاقے میں ہمارے رفقاء متحرک ہو جائیں اور اس دعوت کو آگے پھیلائیں۔

س : کیا ایسی ریاست کے شہریوں کے لئے جہاں قرآن و سنت کی بالادستی نہ ہو' کسی دارالاسلام کی موجودگی میں اس کی طرف ہجرت کرنا لازم ہے یا انہیں وہیں رہ کر مشرکانہ نظام کے خلاف بغاوت کرنی چاہئے؟

ج : اگر کسی ریاست میں اللہ کا دین غالب نہیں ہے اور وہاں کتاب و سنت کی بالادستی نہیں ہے تو ایک مسلمان کے لئے اس امر میں کوئی قباحت نہیں کہ وہ کسی ایسے ملک کی طرف ہجرت کر جائے جہاں کا نظام اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہو۔ اس کا یہ فعل شر کو چھوڑ کر خیر کی طرف جانے کے مترادف ہوگا۔ لیکن اس سے ایک بہتر صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اسے وہیں پر رہ کر اس ملک کے اندر اسلام کے غلبے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ اس مقصد کے لئے وہ غیر متشددانہ اعمال کے ذریعے سماجی اور قانونی نوعیت کی تبدیلیاں لانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ عوام کو منظم کر کے ایک عظیم تحریک کی شکل دی جا سکتی ہے۔ جب تک وہ اس ملک میں رہے' اسے یہ کام کرتے رہنا چاہئے۔ اگر کسی مرحلے پر اسے اس کام سے روکا جائے تو پھر دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جانا بہتر ہوگا۔ مکہ سے حضور ﷺ نے ہجرت اسی وقت کی تھی جب وہاں آپ کا رہنا ناممکن بنا دیا گیا تھا اور آپؐ کے قتل کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسرائیل کے بارے میں عیسائیوں کی لاعلمی

Grace Halsell

افتخار احمد سرور اعوان

Grace Helsell کو ایک انتہائی قابل احترام نامہ نگار/مضمون نگار کی حیثیت حاصل تھی۔ ملک سے باہر پہلی مرتبہ پیشہ وارانہ خدمات کی انجام دہی کے لئے انہوں نے سائیکل پر یورپ کا سفر کیا۔ بعد ازاں ایک درجن اخبارات کی نمائندہ کی حیثیت سے یورپ' جنوبی امریکہ' ایشیا اور مشرق وسطیٰ جانا رہا۔ جاپان ٹائمز' دی ہانگ کانگ ٹائیگر سٹینڈرڈ' عرب نیوز اور لاپرنسا' لیما' پیرو کی کالم نگار رہیں۔ ۱۶ اگست ۲۰۰۰ء کو واشنگٹن ڈی سی میں وفات پائی۔ ۱۴ کتابیں لکھیں۔ مندرجہ بالا تحریر ان کے مئی/جون ۱۹۹۸ء میں شائع ہونے والے مضمون پر مبنی ہے۔

ہماری حکومت کے ان تمام شعبوں پر جہاں مشرق وسطیٰ کے بارے میں فیصلے کئے جاتے ہیں' اسرائیل کے حامی امریکی یہودی قابض ہیں لہٰذا امریکی پالیسی میں کسی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صدر کلنٹن اور اراکین کانگریس جانتے ہیں کہ اسرائیل کا ساتھ دینا کیوں ضروری ہے اس لئے کہ وہ یہودی سرمایہ سے کامیاب ہو کر اقتدار میں آتے ہیں۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں اگر کہیں سے تبدیلی کا امکان ہے تو ان لوگوں سے ہے جو لاعلمی میں اسرائیل کا ساتھ دے رہے ہیں۔ امریکیوں کی اکثریت انہی لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ وہ سادہ لوح' نیک دل عیسائی ہیں جو پیدائشی طور پر اسرائیل اور صیہونیت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ انہی میں سے ایک میں بھی تھی۔ میں بچپن سے ماورائی' تمثیلی' روحانی اسرائیل کے قصے سنتی آ رہی تھی۔ یہ موجودہ سیاسی اسرائیل سے قبل کا اسرائیل تھا جو اسی نام سے ہمیں نقشوں میں دکھایا گیا تھا۔ میں سنڈے سکول جاتی جہاں انسٹرکٹر مقدس سرزمین کا نقشہ دکھاتے۔ میں نے اچھے اور پسندیدہ لوگوں کی کہانیاں ذہن نشین کیں جنہوں نے اپنے برے' ناپسندیدہ دشمنوں کے خلاف جنگ کی تھی۔

میں نے بیس سال کی عمر میں بطور صحافی دنیا میں گھومنا شروع کر دیا تھا لیکن مشرق وسطیٰ سے بہت بعد میں واسطہ پڑا۔ بدقسمتی سے اس علاقہ کے بارے میں میری ساری معلومات سنڈے سکول کی معلومات تک محدود تھیں۔ چنانچہ عام امریکی عیسائیوں کی طرح میری دانست میں ۱۹۴۸ء میں نازیوں کے ستم رسیدہ یہودیوں کے لئے جو نیا ملک بنایا گیا تھا وہ اس ماورائی' روحانی اسرائیل کے نقشہ پر تھا جو بچپن سے میرے ذہن میں تھا۔ ۱۹۷۹ء میں جب پہلی بار یروشلم گئی تو میں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور تین بڑے توحیدی مذاہب پر لکھنے کا قصد کیا۔ ''سیاست پر نہیں لکھو گی؟'' پرانے فصیل بند شہر کے ایک فلسطینی نے حقہ کا کش لیتے ہوئے ہانک لگائی۔ ''ہم دن میں تین بار سیاست نوش کرتے ہیں۔''

میری ریسرچ کا نتیجہ میری ایک کتاب تھی جس کا عنوان تھا ''Journey to Jerusalem'' یعنی یروشلم کا سفر۔ میرے لئے یہ سفر نہ صرف اسرائیل کے حوالہ سے چشم کشا تھا بلکہ خود اپنے ملک کے بارے میں بھی میرا تاثر گہرے رنج پر مبنی تھا' اس لئے کہ مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ ہمارے ہاں مشرق وسطیٰ کے بارے میں فیصلے امریکی عوام کی بجائے اسرائیل کے آدمی کرتے ہیں اور اکثر امریکیوں کی طرح میں بھی یہی سمجھتی رہی تھی کہ امریکی ذرائع ابلاغ غیر جانبدار اور آزاد ہیں۔

''یہ بات چونکہ اسرائیل کے خلاف جاتی ہے اس لئے شائع نہیں ہو سکتی۔'' ۱۹۷۰ء کی دہائی کے آخر میں جب میں پہلی بار یروشلم گئی تو مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ ''خبروں'' کی درجہ بندی اس طور سے بھی ہوتی ہے۔ میں نے اسرائیل جاتے ہی درجنوں نوجوان فلسطینیوں سے گفتگو کی جن میں سے ہر چوتھے نوجوان نے اپنے اوپر ہونے والے تشدد کی کہانی سنائی۔ اسرائیلی پولیس رات کو آتی' انہیں بستروں سے گھسیٹ کر لے جاتی' ان کے سروں پر خود چڑھا دیئے جاتے اور جیلوں میں ڈال کر ان پر شدید مظالم کئے جاتے۔ میں حیران تھی کہ امریکی ذرائع ابلاغ میں کیوں ان باتوں کا تذکرہ نہیں ہوتا! کیا یہ خبر نہ تھی؟ میں یہ کہہ کر انجان بننے کی کوشش کرتی کہ امریکہ میں اخبار والوں کو پتہ ہی نہیں چلا ہو گا۔ وہاں یہ کچھ ہو رہا تھا۔

واشنگٹن ڈی سی جانا ہوا تو میں نے ایک خط Frank Mankiewiez جو اس وقت پبلک ریڈیو سٹیشن WETA کے سربراہ تھے' کے حوالہ کیا اور ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی کہ جن فلسطینیوں کو بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے ان کے بیانات ٹیپ کر کے لے آئی ہوں جو انہیں فراہم کر سکتی ہوں۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر متعدد بار انہیں ٹیلی فون کیا' بالآخر تعلقات عامہ سے متعلق ایک خاتون کو مجھ سے رابطہ ہوا جنہوں نے انکشاف کیا کہ میرا خط گم ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے دوبارہ خط لکھا لیکن اس دوران مجھے یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگر کسی یہودی کی بات ہو تو خبر ہوتی ہے' کسی عرب پر ظلم ہو تو اس کی خبر WETA میں ''گم'' ہو جاتی ہے۔

میری کتاب Journey to Jerusalem کی اشاعت بھی خاصی تجربہ خیز ثابت ہوئی۔ بل گریفن' جنہوں نے میکملن پبلشنگ کمپنی کی جانب سے میرے ساتھ کتاب کی اشاعت کا معاہدہ کیا' ایک سابقہ کیتھولک مبلغ تھے۔ انہوں نے مجھے اطمینان دلایا کہ ان کے علاوہ کوئی اس کتاب میں کانٹ چھانٹ نہیں کرے گا۔ کتاب کو آخری شکل دینے کے لئے میں نے اس دوران اسرائیل اور فلسطین کے کئی چکر لگائے اور ساتھ ساتھ گریفن کو تیار شدہ حصے دکھاتی رہی۔ ''خوفناک'' انہوں نے دیکھ کر کہا۔ جب کتاب کی طباعت کا وقت آیا تو میں میکملن کے دفتر گئی۔ استقبالیہ پر پہنچی تو میں نے کمرے کے دوسرے طرف گریفن کو اپنی میز سے چیزیں اٹھاتے دیکھا۔ اس دوران ان کی سیکرٹری مارگی مجھے لینے آئی۔ اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے مجھے خواتین کے کمرہ میں آنے کو کہا جہاں علیحدگی میں اس نے بتایا کہ گریفن کی چھٹی ہو گئی ہے کیونکہ اس نے میری جس کتاب کا معاہدہ کیا تھا اس میں فلسطین کے لئے نرم گوشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس نے مزید بتایا کہ گریفن مجھ سے ملاقات نہیں کر سکے گا۔

بعد ازاں میری ملاقات میکملن کے ایک دوسرے اہل کار ولیم کری سے ملاقات ہوئی' جس نے کتاب کا مسودہ اسرائیلی سفارت خانہ سے چیک کروانے کا کہا۔ انہیں یہ کتاب پسند نہیں آئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اسے شائع کرانا ضروری ہے! میں نے کہا' کیا اس میں کوئی غلط بات کہی گئی ہے۔ جواب تھا کہ غلط کا سوال نہیں' اسرائیل مخالف ہے اس لئے شائع نہیں ہو سکتی۔

بہر حال رکاوٹوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح کتاب چھپنا شروع ہو گئی۔ ۱۹۸۰ء میں جب یہ چھپ کر آ گئی تو کئی گرجا گھروں کی طرف سے مجھے وہاں جا کر تقریر کرنے کی دعوت ملی۔ عام طور سے عیسائیوں میں اس پر شکوک و شبہات کا اظہار دیکھنے میں آیا۔ چنانچہ اسرائیلیوں کے زمینوں پر قبضے' فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کرنے' بے روک ٹوک گرفتاریوں اور فلسطینی شہریوں پر تشدد کی خبریں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ جب بھی ناانصافیوں کی بات ہوتی تو ایک ہی جواب ملتا'' کیسے ممکن ہے! ہم نے کبھی یہ بات نہیں سنی۔'' بعض کا کہنا تھا'' اخبار میں کبھی ہم نے یہ بات نہیں پڑھی۔'' چرچ کے سامعین کے سامنے میں اپنے تجربات بیان کرتی کہ اس چھوٹے سے ملک میں جتنی تعداد میں امریکی صحافی گروہ در گروہ نظر آتے ہیں اتنی تعداد میں بیجنگ' ماسکو' لندن' ٹوکیو' پیرس میں نہیں ملیں گے۔ میں ان سے

پوچھتی کہ ایک ایسے ملک میں جس کی آبادی ۱۹۸۰ء میں صرف چار ملین تھی؛ چین کے مقابلہ میں جس کی آبادی ایک بلین ہے زیادہ اخباری نمائندے بھیجنے کی کیا دلیل ہے! میں نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ دی نیویارک ٹائمز دی وال سٹریٹ جنرل، دی واشنگٹن پوسٹ اور بیشتر دیگر پرنٹ میڈیا اسرائیل نواز یہودیوں کی ملکیت/زیر کنٹرول ہیں۔ اس لئے آپ کو ہمیشہ اسرائیلی نقطہ نگاہ کی ترجمانی کرتے ملیں گے۔

میں نے اس دوران یہ بھی محسوس کیا کہ اسرائیل پر نکتہ چینی کرنے پر کس طرح آسانی سے میرے یہودی دوست مجھ سے کنارہ کش ہوگئے۔ میں فرانس، برطانیہ، روس یہاں تک کہ امریکہ پر بڑے آرام سے ہر طرح کی تنقید کر سکتی ہوں، نہیں کرسکتی تو صرف اسرائیل پر۔ Journey to Jerusalem کی اشاعت سے میں نے کئی یہودی دوست کھو دیئے جو میرے لئے افسوس کا باعث تھا۔ ان میں سے ایک کا شاید مجھے سب سے زیادہ افسوس ہوا۔

۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں مشرق وسطیٰ کے سفر شروع کرنے سے قبل میں نے Soul Sister نامی کتاب میں کالوں کے حالات، Bessie yellow hair میں امریکی انڈین کے حالات اور The Illegals میں میکسیکو سے غیر قانونی طور پر آنے والے مزدوروں کے حالات قلمبند کئے تھے۔ یہ کتابیں نیویارک ٹائمز کی "ماں" مسز آرتھر ہیز سلز برگر کی نظر سے گزری تھیں۔ ان کے والد نے یہ اخبار جاری کیا تھا، پھر ان کے خاوند اسے چلاتے رہے اور جن دنوں میرا ان سے تعارف ہوا تھا، ان کے بیٹے اس کے پبلشر تھے۔ انہوں نے مجھے ففتھ ایونیو پر واقع اپنی خوبصورت رہائش گاہ پر کئی مرتبہ کھانوں پر بلایا اور اکثر اختتام ہفتہ میں ان کے گرین وچ کون کے گھر میں بطور مہمان مقیم ہوتی۔ وہ ایک کشادہ دل خاتون تھیں اور مغلوب طبقہ کے لئے آواز بلند کرنے کی وجہ سے میری تعریف کیا کرتی تھیں، بلکہ ایک خط میں تو انہوں نے مجھے "انتہائی قابل تعریف" خاتون قرار دیا تھا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ "غلط" لوگوں کی حمایت کرنے کی وجہ سے ایک دم میں ان کی نظروں سے گر جاؤں گی۔

جب یہ واقعہ ہوا، میں اختتام ہفتہ ان کے کنیکٹیکٹ کے عالیشان محل میں ٹھہری ہوئی تھی اور وہیں انہوں نے میری کتاب Journey to Jerusalem کے پروف دیکھے تھے۔ میں واپس آنے لگی تو انہوں نے پروف واپس دیتے ہوئے رنجیدہ لہجے میں کہا "میری جان! کیا تم ہالوکاسٹ کو بھول گئی ہو؟" گویا کئی دہائیاں قبل نازی جرمنی میں یہودیوں کے قتل عام کا بدلہ فلسطینیوں کے قتل عام کی صورت میں لیا جارہا ہے۔

مجھے اس پر بڑا دکھ ہوا لیکن میں سمجھ گئی کہ ہماری دوستی اب ختم ہے۔ انی جن سلز برگر نے گھر بلا کر نہ صرف اپنے ممتاز دوستوں سے مجھے ملوایا تھا بلکہ ان کے کہنے پر "دی ٹائمز" نے میرے مضامین بھی چھاپنے شروع کر دیئے تھے۔ میں نے متعدد موضوعات پر جن میں امریکی سیاہ فام، امریکی انڈین اور غیر قانونی کارکن شامل تھے، مضامین لکھے جنہیں انہوں نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ چونکہ مسز سلز برگر اور ٹائمز کے یہودی اہلکار میری ان کوششوں کے بڑے قدردان تھے جو میں پسے ہوئے طبقات کے لئے کر رہی تھی اس لئے ان کی یہ دوعملی زیادہ نمایاں طور پر سامنے آئی۔ "کشادہ دل" امریکی یہودیوں کے دلوں میں دنیا بھر کے مظلوم اور پسماندہ لوگوں کا غم ہے سوائے ایک فلسطینیوں کے۔ رائے عامہ تشکیل دینے والے یہ کشادہ دل یہودی بڑی آسانی سے فلسطینیوں کی حیثیت گھٹا کر انہیں نظروں سے اوجھل کر دیتے ہیں یا ان سب کو "دہشت گرد" کا درجہ دے دیتے ہیں۔ انی جین سلز برگر نے اپنے والد اڈلف ایس اوچس کے بارے میں بڑی تفصیل سے مجھے بتایا تھا کہ وہ شروع کے صیہونی اکابرین میں شامل نہیں تھے، نہ ہی وہ یہودی ریاست کے قیام کے حق میں تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اکثر امریکی یہودی مذہب کے نام پر صیہونیت، جو خالصتاً ایک قوم پرست تحریک ہے، کے آلہ کار بنے ہیں۔ تمام بڑے مذاہب انسانی مساوات کی تلقین کرتے ہیں لیکن صیہونیوں کے مذہبی تصور کے مطابق غیر یہودیوں کا قتل جائز ہے۔

گزشتہ پچاس برس سے صیہونیوں کے ہاتھوں فلسطینی بے دردی سے قتل ہو رہے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں قانا، لبنان میں قائم اقوام متحدہ کے کیمپ میں ۱۰۰ سے زائد فلسطینی پناہ گزین اسرائیل نے گولہ باری کر کے ہلاک کئے۔ ایک اسرائیلی صحافی ایریل شیوت کا کہنا تھا کہ اس وقت جبکہ وائٹ ہاؤس ہمارے ہاتھ میں ہے، سینٹ ہمارے ہاتھ میں ہے اور نیویارک ٹائمز ہمارے ہاتھ میں ہے، ان جانوں کی ہمارے ہاں کوئی وقعت نہیں۔ اسرائیلی پرانی بائبل کی بجائے تالمود کی پیروی کرتے ہیں جس میں غیر یہودیوں کا قتل جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰؑ نے تالمود کی تعلیمات کو رد کر دیا تھا۔ اس کے باوجود امریکی عیسائی اسرائیل کی ہاں میں ہاں ملائے ہوئے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک اب بھی امریکی چرچ وہ آخری جگہ ہے جہاں سے فلسطینیوں کے حقوق کے لئے آواز بلند ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کی سرزمین سے ہمارا تاریخی تعلق ہے تو دوسری طرف ہماری یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کیونکہ ہمارے ٹیکسوں سے جمع ہونے والے ڈالر اسرائیلی حکومت کی جیب میں جاتے ہیں اور وہ انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیرتی ہے۔

اسرائیل اور اس کے ہمنوا امریکی یہودی، امریکی صدر اور کانگریس کے اراکین سے پوری طرح مطمئن ہیں لیکن امریکی عیسائیوں سے انہیں خوف ہے کہ ان کے ہاں اب بھی انصاف کی گنجائش موجود ہے۔ اب تک اکثر عیسائی اسرائیل کے کرتوتوں سے ناواقف تھے، اپنے ملک میں رہتے ہوئے اسرائیل کے حامی اُن پر مسلط تھے، ادھر اسرائیلی حکومت اپنے ہاں پورا اہتمام کرتی ہے کہ کسی کو فلسطینیوں کی ہوا بھی نہ لگے لیکن صورت حال رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہے اور یہ بات اسرائیلیوں کو کھٹکنے لگی ہے۔
اس سال کے اوائل میں عیسائی سبیل کانفرنس میں شرکت کے لئے بیت اللحم جانے والے وفود کو تل ابیب کے ہوائی اڈہ پر اسرائیلی سیکورٹی کی جانب سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہراساں کیا گیا، مثلاً یہ کہ تم نے اسرائیلی ٹریول ایجنسی کی بجائے فلسطینی کی خدمات کیوں حاصل کیں۔ چنانچہ سبیل کانفرنس کے منتظمین کو اس کے لئے باقاعدہ مداخلت کرنا پڑی۔ ایک وفد کا کہنا تھا کہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہمیں صرف اسرائیلی حکومت کی سرپرستی میں یہاں آنا چاہئے تاکہ ہم یہاں کے حالات سے بے خبر رہیں۔
(بشکریہ: دی فرنٹیئر پوسٹ ۲۶ اپریل ۲۰۰۲ء)

☆ ☆ ☆

موصوفہ کو امریکی چرچ سے فلسطینیوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھنے کی جو امید تھی اگر زندہ ہوتیں تو اس کا حشر بھی دیکھ لیتیں۔ وجہ یہ ہے کہ آج دنیا میں حکومتوں کو جو طاقت حاصل ہے اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں (مترجم)

تبدیل شدہ پروگرام تربیتی کورسز برائے ماہ جون۔ جولائی 2002ء

16 تا 22 جون 2002ء	ملتزم	دفتر حلقہ پنجاب شمالی اسلام آباد
23 تا 29 جون 2002ء	مبتدی دفتر	حلقہ پنجاب شمالی اسلام آباد
7 تا 13 جولائی 2002ء	مبتدی	قرآن اکیڈمی کراچی
11 تا 17 اگست 2002ء	مبتدی رملتزم	میاندم

(برائے رفقاء حلقہ جات سرحد شمالی وجنوبی)

14 تا 20 جولائی 2002ء	مبتدی	میاندم
21 تا 27 جولائی 2002ء	ملتزم	میاندم

مکالمۂ انسان وقرآن

مصنف : حکیم سید عبداللہ میاں حسنی قادری
ضخامت : ۱۰۴ صفحات
قیمت : ۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ آموزگار۔ ۳۷ بھوانی پیٹھ اسلام پورہ جلگاؤں ۴۲۵۰۰۱

کتاب کے مولف ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد حضرت مولانا سید شاہ محمد یاسین میاں حسنی قادری بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے نصیر آباد (انڈیا) میں ان کا مزار ہے۔ حکیم سید عبداللہ میاں حسنی قادری ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں ان کے والد فوت ہوگئے تو آپ گدی نشین ہوئے۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ خاصا وسیع تھا۔ آپ کو علم دین سے شغف تھا۔ چنانچہ تبلیغ اسلام کے کام میں لگ گئے جس کے نتیجہ میں کئی غیر مسلم ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد ترک وطن کرکے پاکستان آ گئے۔ آپ نے اپنے منفرد انداز میں چار جلدوں میں تفسیر لکھی۔ ''مکالمہ انسان قرآن'' اسی تفسیر کی تلخیص ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے قرآن پاک سے سوال کئے ہیں اور پھر قرآنی آیات کے ذریعے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ سوالات مختلف عنوانات کے تحت ہیں جن کی تعداد چالیس کے قریب ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ قرآن مجید' سیرت پاک' آخرت وقیامت' عبادت' کامیاب وناکام زندگی' قرآن کی پکار' شہادت' ہجرت' توبہ کی حقیقت' عالم غیب' صراط مستقیم' اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر وغیرہ۔ سوالات کے جوابات میں صرف قرآنی آیات اوران کا ترجمہ لکھ دیا ہے۔ کسی قسم کی تشریح و توضیح نہیں کی گئی۔ کتاب مفید مطالعہ ہے اور صحیح سمت میں راہنمائی کرتی ہے۔ البتہ کتاب میں کمپوزنگ کی بے شمار غلطیاں ہیں جو قارئین کے لئے تکدر خاطر کا باعث ہیں۔ بعض اغلاط تو فاش نوعیت کی ہیں۔ خصوصاً قرآنی آیات کے لکھنے میں غلطیاں پریشان کن ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ مثلاً صفحہ ۵ پر لصطفی کو المصطفی اور ان الدین کو ان الذین لکھ دیا ہے۔ صفحہ ۸۹ پر بعض کی بجائے باز لکھا ہوا ہے۔

بہرحال کتاب اچھی ہے۔ قرآن آیات کے ذریعے سوالات کے جوابات پڑھنے والے کو ضرور متاثر کرتے ہیں۔ کتاب کا پیش لفظ مولانا عبدالاحد ازہری نے لکھا ہے جو ممتاز عالم دین اور معہد ملت شہر مالیگاؤں میں شیخ التفسیر ہیں انہوں نے اس کتاب کے اسلوب کو منفرد اور طرز نگارش کو ممتاز قرار دیا ہے۔

جہات

مصنف: ڈاکٹر زاہد منیر عامر
صفحات: ۱۸۴
قیمت: ۱۰۰ روپے
ملنے کا پتہ: کلیہ علوم اسلامیہ وشرقیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور

جہات مختلف عنوانات پر لکھے گئے دس مضامین کا مجموعہ ہے۔ فاضل مصنف پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے استاد ہیں۔ مضامین بڑی کاوش' جدو جہد اور محنت سے لکھے گئے ہیں جو مصنف کے ذوق تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ''حالی کا قیام لاہور'' مولانا حالی کی عظمت کے کئی

تبصرہ نگار : محمد یونس جنجوعہ

غیر معروف گوشوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ایک خط کا عکس بھی شامل اشاعت ہے جس سے مولانا کی اینچسن کالج لاہور کے ساتھ وابستگی کا پتہ چلتا ہے' لیکن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کالج کی ہمہ وقت مصروفیت اور وہ بھی نواب زادوں اور مہاراجوں کے بچوں کی اتالیقی دل سے پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جلد ہی یہ نوکری چھوڑ دی۔ یہ مضمون حالی کے دور کے تعلیمی حالات پر خاصی معلومات پیش کرتا ہے۔ اسی طرح ''ایک مسافر حجاز...... غلام رسول مہر'' کے سفرحج کی روئیداد بھی مقدس تاریخی سرمایہ ہے۔ یہ مولانا مہر کا دوسرا سفرحج تھا' جو انہوں نے ۱۹۳۰ء میں اختیار کیا۔ اس سفر میں جہاں ماحول پر زمانے کے اثرات کا پتہ چلتا ہے وہاں ان کی حرم شریف میں مولانا عبیداللہ سندھی اور صاحب ''رحمتہ للعالمین'' قاضی محمد سلیمان منصور پوری سے ملاقاتوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس سفر سے واپسی کے دوران ہی بحری جہاز میں قاضی صاحب کی وفات ہوگئی اوران کے جسد خاکی کو سمندر کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔ قاضی صاحب کے ایک شعر میں گویا سفرآخرت کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

نظر آتا نہیں قسمت میں مجھ کو لوٹ کر آنا
کہ اب عمر رواں آب رواں معلوم ہوتی ہے

ہر مضمون مصنف کی بالغ نظری اور وسعت مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فکر و نظر کو جلا بخشنے والے یہ مقالات حوالہ جات سے مزین اور تحقیق کی نئی راہیں واکرنے والے ہیں۔ کتاب حسن معنوی کے ساتھ ساتھ صورتا بھی دیدہ زیب ہے تاہم کہیں کہیں کمپوزنگ یا پروف ریڈنگ کی غلطیاں ہیں۔

بقیہ: اداریہ

نامہ یہ ہے کہ امریکہ بھی بالکل ننگا ہو کر سامنے آ گیا ہے اور ہماری حکومت نے بھی ڈھٹائی کی انتہا کر دی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امریکہ اب کھل کر صدر مشرف سے مطالبہ کر رہا ہے کہ توہین رسالت کے قانون اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے والی دستوری دفعات کو ختم کرو' جس پر ایک اخباری اطلاع کے مطابق ہمارے وفاقی وزیر اطلاعات جناب نثار احمد میمن نے آمنا وصدقنا کہتے ہوئے ان دونوں دفعات وقوانین کے خاتمے کے عزم کا اعلان کر دیا ہے کہ جو ابلیسی نظام کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں۔ ؏ حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں۔

اس منظر نامے کی سنگینی میں اضافہ کا موجب ملک میں دہشت گردی کی تازہ لہر ہے۔ نامور دینی سکالر ڈاکٹر غلام مرتضی ملک کے قتل اور کراچی میں دہشت گردی کی حالیہ خوفناک واردات کے بعد جس میں درجن سے زائد فرانسیسی باشندے لقمہ اجل بنے' پورے ملک میں خوف و دہشت کا دور دورہ ہے۔ ان واقعات کے نتیجے میں بھی ہماری حکومت کا امریکہ پر انحصار مزید بڑھے گا' اور امریکہ چاہتا بھی یہی ہے۔ چنانچہ اب یہ باور کئے بغیر چارہ نہیں کہ صدر مشرف کو ریفرینڈم کے اندھے کنوئیں میں دھکا دینے والا امریکہ کے سوا اور کوئی نہیں! وہ صدر مشرف کے اقتدار کو اس وقت تک باقی رکھنا چاہتا ہے جب تک مسلمانوں اور جہادی قوتوں کے خلاف اس کا مذموم ایجنڈا مکمل نہیں ہو جاتا' لیکن وہ اس بات کا آرزومند بھی ہے کہ صدر مشرف کے اپنے قدم مضبوط نہ ہونے پائیں اور وہ اپنے اقتدار کے بقاء وتحفظ کے لئے پورے طور پر امریکہ کے رحم وکرم پر رہیں۔ مسلمانانِ پاکستان کے اجتماعی جرائم کی سزا کا وقت شاید آ چکا ہے' جس کی تلافی اجتماعی دعا' اجتماعی توبہ اور اجتماعی اصلاح وعمل ہی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

ماہ مئی میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ کراچی

امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد' تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق کے ہمراہ ۴ مئی کو کراچی پہنچے۔ ان کا پہلا پروگرام تنظیم اسلامی کراچی (وسطی ۱) کے زیر اہتمام "پاکستان میں اسلامی نظام — کیا اور کیسے؟" کے موضوع پر خطاب پر مبنی تھا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد اسلامی نظام کے حوالے سے مختلف سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ اور قیام پاکستان کے بعد رونما ہونے والے بعض اہم واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان شاء اللہ پاکستان میں نظام خلافت کے نفاذ کی صورت میں عالمی نظام خلافت کے قیام کا آغاز ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دستور میں شامل ان چور دروازوں کو بند کیا جائے جن کی بناء پر شریعت کی عملی تنفیذ میں دشواریاں حائل ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کو اقتدار کی کشمکش سے باہر آ کر اور دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سہ نکاتی لائحہ عمل پر کاربند ہونے کے لئے متحدہ محاذ کی تشکیل ناگزیر ہے جس کے نتیجے میں حکومت پر معاشرے سے برائیوں کے خاتمے کے لئے موثر دباؤ ڈالا جا سکے گا اور اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوگی۔ مقامی تنظیم کے امیر جناب سید اظہر ریاض اور رفقاء کی ان تھک محنت کے نتیجے میں تقریباً ۱۲۰۰ حضرات وخواتین نے اس پروگرام میں شرکت کی۔

اگلی صبح گیارہ بجے قرآن اکیڈمی' ڈیفنس میں ماہانہ دعوتی پروگرام کا آغاز نوجوان مقرر جناب انجینئر نعمان اختر کی تقریر سے ہوا' جس کا موضوع تھا: "الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے"۔ اپنی تقریر میں انہوں نے قرآن حکیم کی مختلف آیات کا حوالہ بھی دیا۔ بعد ازاں انجینئر نوید احمد نے "انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے مابین ربط" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہماری تحریک کا مقصد غلبہ واقامت دین بذریعہ دعوت رجوع الی القرآن ہے۔ انجمن خدام القرآن نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کو افراد کار مہیا کر کے اس کے لئے ایک نرسری کا کردار ادا کر رہی ہے بلکہ وہ تنظیم کے فکر اور اس کی دعوت کو کتب و کیسٹس اور سی ڈیز کی صورت میں بھی عام کر رہی ہے۔

امیر محترم نے سورۂ نوحؑ پر درس دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب مسلط نہیں کرتا جب تک کہ اس تک اپنا رسول نہ بھیج دے جو اس پر دعوت وتبلیغ کا حق ادا کرے۔ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی اور اس ضمن میں دعوت دین کے ہر طریقہ کو آزمایا لیکن ان کی قوم نے ان کی دعوت رد کر دی معدودے چند افراد کے۔ لہٰذا حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے حق میں بددعا فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ کافروں کا ایک گھر بھی نہ چھوڑ ورنہ یہ دوسروں کو گمراہ کریں گے اور ان کی آئندہ نسل فاسق وفاجر افراد پر مشتمل ہوگی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تباہ کن طوفان کے ذریعہ ان کی قوم کو غرق کر دیا سوائے ان اہل ایمان کے جنہیں حضرت نوحؑ نے اللہ کے حکم پر اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ اسی شام بعد نماز مغرب تنظیم اسلامی کراچی (جنوبی) کے امیر جناب عبداللطیف عقیلی نے اپنی رہائش گاہ پر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کی انتظامیہ کے ہمراہ ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا جس میں امیر محترم نے تقریباً نصف گھنٹہ اسلامی نظام اور اس کے قیام کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں' سوال وجواب کی نشست بھی ہوئی جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی۔

۶ مئی کو امیر محترم نے ممتاز شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور ان سے تبادلہ خیالات فرمایا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی گوجر خان کی ماہانہ شب بسری

یہ پروگرام ۲۰ اور ۲۱ اپریل کی درمیانی شب مقامی دفتر میں ہوا۔ اس کا آغاز نماز مغرب کے فوراً بعد ہوا۔ جناب اللہ دتہ نے سورۃ الرحمٰن کے پہلے رکوع کی تلاوت کی۔ جناب فخر زمان نے نعت رسول مقبولؐ پڑھی۔ جناب حافظ ندیم مجید نے سورۂ لقمان کی آیات ۱۲ اور ۱۳ کا درس دیا اور ان کی تشریح کرتے ہوئے شرک کی اقسام اور ان سے بچنے کے طریقے بیان کئے۔ جناب ذوالفقار احمد نے سیرت صحابہ کے تحت حضرت عمرؓ کے خصائل اور اوصاف بیان کئے۔ جناب اللہ دتہ نے دینی فرائض کے جامع تصور پر مختصر گفتگو کی۔ جناب چوہدری محمد امین نے دعوت دین اور اس کے مختلف طریقہ کار بیان کئے۔ رات دس سے گیارہ بجے تک نماز عشاء اور طعام کے لئے وقفہ ہوا۔ اس کے بعد جناب فاروق حسین نے ایمان اور تقویٰ کے موضوع پر گفتگو کی۔ آخر میں جناب ساجد حسین نے اب تک ہونے والی کارروائی اور گفتگو کا خلاصہ بیان کیا' جس کے ساتھ ہی رات کی نشست اختتام پذیر ہوئی۔

صبح کی نشست سوا پانچ بجے شروع ہوئی۔ جناب عبدالمجید نے سورۃ الحدید کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت تلاوت کی اور اس کا ترجمہ وتشریح بیان کی۔ نماز فجر کے بعد رفقاء اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اس پروگرام میں ۱۹ رفقاء نے شرکت کی۔ (رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

خیر پور ٹامیوالی میں تحریک رجوع الی القرآن

خیر پور ٹامیوالی' ضلع بہاولپور کی ایک اہم تحصیل ہے۔ یہ علاقہ فرقہ وارانہ کشمکش کی وجہ سے بڑا حساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہمیں اپنا کام شروع کرنے میں خاصی دقت پیش آئی۔ حلقہ بہاولنگر کے امیر جناب محمد منیر احمد کافی عرصہ سے اس کوشش میں تھے۔ بالآخر جناب پروفیسر (ر) یار محمد نیاز نے پیرانہ سالی اور خرابیٔ صحت کے باوجود خیر پور ٹامیوالی کا سفر اختیار کیا اور اپنے روابط کے ذریعے جناب ڈاکٹر عاشق علی رندھاوا سے ان کے ہسپتال میں ایک ہفتہ وار پروگرام جاری کرنے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر رندھاوا نے یہ درخواست اس حوصلہ افزائی کے ساتھ قبول کر لی کہ میں خود بھی درس قرآن میں شرکت کروں گا اور اس کی حاضری بہتر بنانے کے لئے ذاتی کوششیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تک تین ہفتہ وار درس ہو چکے ہیں۔ یہ پروگرام ہر اتوار کو ظہر کی نماز کے بعد منعقد ہوتا ہے۔ (رپورٹ: محمد ابراہیم)

حلقہ بہاولنگر کا تنظیمی اجلاس

۷ اپریل کو چشتیاں میں ملتزم رفقاء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا' جس میں حلقہ کے امیر جناب منیر احمد نے سورۃ المائدہ کی ایک آیت کا درس دیا۔ انہوں نے ملتزم رفقاء کو ان کی ذمہ داریوں کی یاد دہانی کروائی اور اس بات پر زور دیا کہ وہ اپنی منزل کو سامنے رکھ کر ان ذمہ داریوں کو بہتر طور پر نبھانے کی کوشش کریں۔ رفقاء نے اس درس سے کافی گہرا اثر لیا۔ اس کے بعد مرکزی مجلس شوریٰ میں حلقہ کی نمائندگی کرنے کے لئے ایک رکن کا انتخاب کیا گیا۔ بعد نماز اس مجلس کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: وقار اشرف)

تنظیمی اطلاعات

☆ ضلع شیخوپورہ کے علاقہ کو حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن سے الگ کر کے حلقہ لاہور ڈویژن میں شامل کر دیا گیا ہے۔

☆ ملتان میں واقع حلقہ پنجاب (جنوبی) کے دفتر کا فون اور فیکس نمبر تبدیل ہو گیا ہے۔ نیا نمبر یہ ہے: **220451**

انتقال پُر ملال

قرآن اکیڈمی لائبریری کے کارکن جناب عبدالمالک کے بڑے بھائی ٹریفک کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے ہیں۔ احباب سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

that morality should be determined solely with regard to the well-being of humankind in the present life, to the exclusion of all consideration drawn from belief in God or in a future existence" (The New Shorter Oxford Dictionary, The New Authority on English Language, Vol - 2, 1993, page 2752). The General's confusion can be guessed from the history since October 12, 1999. Just two months into the new office, in an interview to Turkish TV, Musharraf said he admired the Turkish nationalist and secularist leader Kemal Ataturk and would like to direct Pakistan in line with Kemal's program.(1) He categorically denied any role for religion in politics in his January 12 speech. In a subsequent interview to the Newsweek, he went to the extent of describing Pakistan a "Muslim secular state." (Kuldip Nayar, Daccan Herald, February 27, 2002). On January 31, 2002, however, he tried to dispel the impression that his statements were aimed at negating the country's founding ideology. He said: "Nobody should ever think that this is a secular state. It was founded as the Islamic Republic of Pakistan." (2) Similarly, the President's spokesman said three days after the Newsweek interview that Musharraf never used the word 'secular.' One wonders, how can "Islamic" Republic of Pakistan be in line with Kamal's programme for "secular" Turkey? Even if the General avoids using the word "secular," still Pakistan can never be "Islamic" without applying Islamic principles to every sphere of state affairs. Given the above-mentioned definition for secularism, how can one be a secular and a Muslim at the same time? Musharraf's secular friends, such as Kuldip Nayar, suggest: "he does not have to feel embarrassed over the word secularism, which denotes pluralism. It is a commitment to tolerance and open society and means rising above one's own religion." For ingraining such misconceptions in Pakistan's national psyche, the General either has to dictate editors of the Oxford Shorter dictionary to change definition of secularism or tell the secularists that Islam is not against pluralism and open society. In fact, pluralism and open society are the two recognisable traits of an Islamic state, which the secularists are trying to avoid at all costs. The sham referendum was staged to prove the lie and many a lies have been manufactured to prove the misconception and conceal the real intentions. Helpless before the tanks and the guns, the people seem to have no option but to fool themselves and carry the burden, of at least this lie and this grand misconception, for as long as this regime remains in place. Instead of misusing his unprecedented powers, it would be kind of the General to publicly admit that the people are no more with him, say good-bye to his personal ambitions and immediately take a few lessons from religious scholars -- not associated with religious political parties -- to understand and implement the principles that would make Pakistan a real "Islamic" state.

The Big Lie

The Jewish-dominated American mass media and the Israeli-controlled politicians do not want the American people to fully realize the incredibly high price America pays for blindly supporting Israel. In the aftermath of the attacks on September 11, 2001, even President Bush repeated the absurd lie, alleging the attack happened because they hate the fact that we are free. If, as the media says, bin Laden is behind the terrorism, then they know that the attack occurred not because he hates freedom. Just three years ago, ABC television and PBS Frontline interviewed bin Laden during the time of the Clinton administration. Bin Laden clearly stated why he opposed America:

> **They (Americans) have put themselves at the mercy of a disloyal government,... it is Israel inside America. Take the sensitive ministries such as the Secretary of State and the Secretary of Defense and the CIA, you will find that the Jews have the upper hand in them. They make use of America to further their plans for the world..."**
> **For over half a century, Muslims in Palestine have been (by the Jews) slaughtered and assaulted and robbed of their honor and of their property. Their houses have been blasted, their crops destroyed...This is my message to the American people: to look for a serious government that looks out for their interests and does not attack other people's lands, or other people's honor..."(3)**

Notwithstanding any of his alleged crimes, bin Laden has never in his entire life uttered a word against Democracy! The media invented the lie about attacking Democracy to hide the real truth; that America is being attacked in retaliation for the American government's support of Israel's terrorist policies in the Mideast. The unanimity of the media in propagating this huge lie without contradiction should make every thoughtful person suspect that Americans are not getting the whole truth from the media.

(David Duke)

Vol: 11 Regd.CPL No.127 No.18
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

The Lie and The Misconception.

The General, who declared the war in Afghanistan over; Osama and Mulla Omar dead; Daniel Pearl alive; 85 per cent Pakistanis his supporters in the US war on Afghanistan, and the recently held referendum "free, fair and transparent," is actively promoting a lie and a misconception since his takeover. The lie is: "The people are with me." The misconception is: "religion has no role in politics." Such grand self-deceptions at the top lead to national misconceptions. Consequently the nation starts living with lies and fails to understand that it deceives no one, but itself. Those who are forcing themselves into believing the lie must keep in mind that the world is watching us. We might close our eyes to reality and start believing Election Commission that out of 43.9 million, 42.8 million voted for Musharraf. The New York Times, however, doesn't belong to Musharraf, Benazir or Nawaz to manufacture lies for them. In plain words, it says: "Gen. Musharraf almost certainly won a rigged referendum in Pakistan....an election that was preceded by curbs on dissent" (editorial May 1). It is easy to label a Pakistani analyst emotional or biased when he tells the truth. However, what about the outsiders, such as the Boston Globe, when they declare Musharraf's people-are-with-me statistics "ludicrously inflated" and accuse the regime for pressuring civil servants "to cast ballots for Musharraf" (editorial, May 2, 2002). Are we ready to carry the burden of the lie for another five years? Even if we believe the state sponsored mediá, still there are foreign outlets publishing details of widespread irregularities, with eyewitness accounts, speaking volumes of the fact that people are not with the General. Of course, the people have no choice, but they are absolutely not with Musharraf at all. Is editorial board of the Boston Globe a bunch of "five per cent extremist Muslims," who consider the whole dictatorship-legitimising-exercise a "phony referendum" (May 2, 2002)? Or the opposition bribed it to state: "An electoral sham such as the referendum on his rule... ought to be regarded as a political variation on hypocrisy: the tribute vice pays to virtue." The tragedy deepens when one finds well-informed persons, wilfully ignoring the facts to support the lie. Information Minister Nisar Memon says: "People have given their verdict and those who do not accept this are not supporters of democracy," Let's agree with the junta that all editorialists and analysts in Pakistan have suddenly become enemies of democracy; what to say of the members on LA Times' editorial board, who recently concluded: "Gen. Musharraf diminished himself in this effort to gain five more years as president...the General originally seen as a plain-talking soldier now appears the crafty politician bent on personal power...ballots were by all accounts rigged to inflate the turnout and margin of approval," (May 03, 2002). Whatever is democracy to Musharraf and his new lackeys, such as Imran, Leghari and Qadri, is no more democracy in the eyes of impartial observers. Nicholas D. Kristof writes in the New York Times (May 03): "that rigged referendum - and our complicity in it - raise questions about what constitutes democracy." Most Americans feel embarrassed with such claims to democracy on part of Musharraf and his team. Writing in its pre-referendum editorial, Providence Journal (April 28) called the exercise, "Musharraf's dubious ploy," "a sham referendum designed to keep him in power, has embarrassed the United States." It shows, those who support the lie are not fooling the nation but also embarrassing us before the world community. Unless bribed by Pakistani opposition, the western press is telling the truth about their governments' newly found most-favoured-dictator. Coming to the misconception that General Musharraf is gradually promoting; one finds him hanging from a rope stretched over an abyss whose two cliffs are Islam and secularism, and he does not know whether to try to move towards his dream of secularising Pakistan or towards the unavoidable reality that it is absolutely against the genesis of Pakistan and his personal belief as a Muslim. He cannot distinguish between his dreams to rule by pleasing his masters with unbridled leaps towards secularism and his faith in the fading years of his life. His perplexity is complete. It is also fast trickling down. We must go to the basics of what secularism is all about to check the confusion spreading like a virus among the masses. Secularism, in fact, is the "belief that religion and religious consideration should be deliberately omitted from temporal affairs. A system of belief based on the doctrine